اہلِ سُنّت اور محرم الحرام

اہلِ سنت کے غور و فکر کے لیے چند اہم باتیں

www.KitaboSunnat.com

٢٦
١-١

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاحُ الدین یوسف حفظہ اللہ
مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

مکتبہ ضیاء الحدیث
ZIAUL-HADEES LAHORE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

www.kitabosunnat.com

اہلِ سنت اور محرم الحرام

(اہلِ سنت کے غور وفکر کے لیے چند اہم باتیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

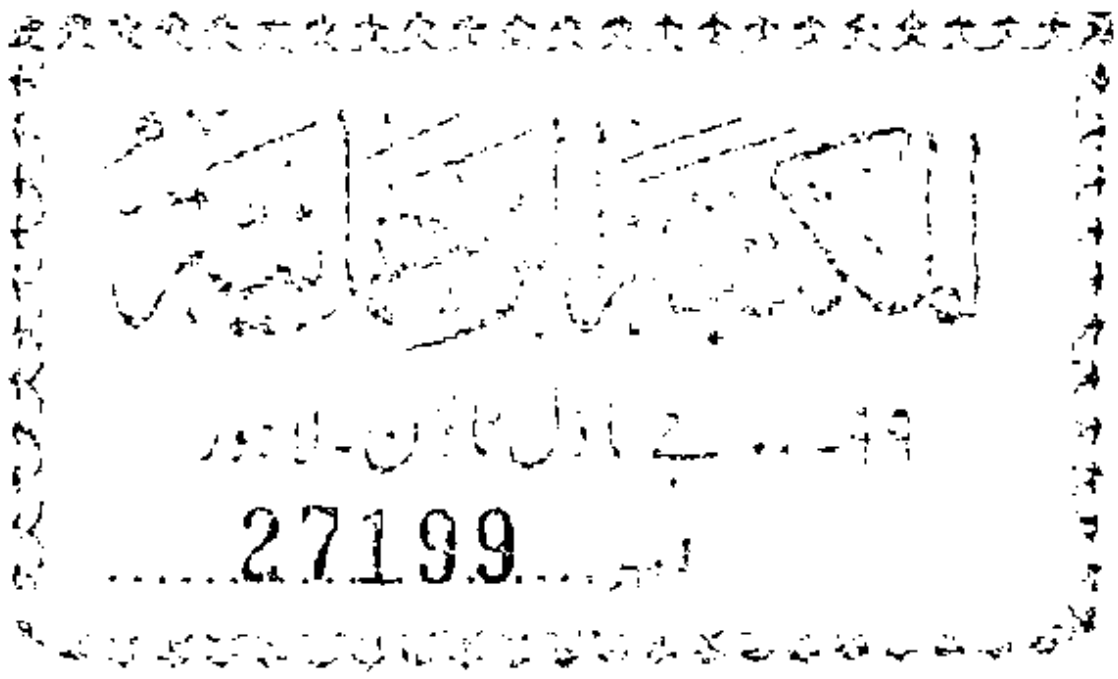

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہلِ سُنت اور محرم الحرام

(اہلِ سُنت کے غور وفکر کے لیے چند اہم باتیں)

تالیف

فضیلۃ الشیخ حافظ یوسف صلاح الدین حفظہ اللہ

(مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

مکتبہ ضیاء الحدیث لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جُملہ حقوق محفوظ ہیں۔

263.97
ص ل ا-ا

اشاعت: ——— فروری 2020ء

تعداد: ——— 1100

قیمت: ———

مکتبہ ضیاء الحدیث لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرست

- عرضِ مولف ---------- 7
- آغاز کتاب ---------- 10
- ماہِ محرم کی فضیلت کے بارے میں ایک غلط تصور: ---------- 10
- سالِ نو کے آغاز پر مبارکبادی کے پیغام یا جشنِ مسرت کا انعقاد؟ ---------- 11
- عشرۂ محرم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطلوب احترام ---------- 13
- فضائل اہلِ بیت اور اہلِ بیت کا مطلب ---------- 17
- اہلِ بیت کون ہیں؟ ---------- 17
- فضیلتِ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما: ---------- 19
- ماہِ محرم اور عاشورۂ محرم ---------- 23
- محرم میں مسنون عمل: ---------- 25
- ایک ضروری وضاحت: « لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَةَ » کا مطلب: ---------- 26
- ایک اور مثال سے وضاحت: ---------- 27
- عاشورہ کے دن توسیعِ طعام سال بھر رزق میں اضافے کا سبب ہے؟ ---------- 29
- مذکورہ بدعات اور رسومات کی ہلاکت خیزیاں ---------- 32
- مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی صراحت: ---------- 34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- اہلِ سنت کے غور وفکر کے لیے چند اہم باتیں---------- 37
- کیا معرکہ کربلا، حق و باطل کا مقابلہ تھا یا ایک حادثہ؟ ---------- 37
- عجیب تضاد: ---------- 43
- حضرت عثمان اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شہادت: ---------- 44
- ''امام'' اور ''علیہ السلام'':---------- 45
- یزید پر سب وشتم کا مسئلہ: ---------- 46
- مولانا احمد رضا خاں کی صراحت: ---------- 49
- فسق وفجور کے افسانے؟---------- 49
- غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کے لیے بشارتِ نبوی: ---------- 50
- سوالات اور ان کے جوابات ---------- 52
- برادرِ حسین محمد ابن الحنفیہ کی طرف سے یزید کی صفائی: ---------- 64
- اِبلاغِ رسالت اور ولایتِ علی رضی اللہ عنہ---------- 92
- تفسیر آیت: ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾ ------ 92
- ولایتِ علی اور ثقلین (کتاب اور عترت، اہلِ بیت) کا مطلب: ------ 94
- معنوی تحریف: ---------- 98
- حدیثِ عترت، یا حدیث الثقلین کا مطلب: ---------- 100
- تفسیر آیتِ مباہلہ ---------- 107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مولف

برصغیر پاک و ہند میں ''اہلِ سنت'' کا اطلاق تین مکاتبِ فکر پر ہوتا ہے: دیوبندی مکتبِ فکر، بریلوی مکتبِ فکر اور اہلِ حدیث مکتبِ فکر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک گروہ اہلِ تشیع کا بھی ہے، اس کے مقابلے میں مذکورہ تینوں مکاتبِ فکر کا ان سے ایک بنیادی اختلاف ہے اور وہ بنیادی اختلاف اتنا اہم ہے کہ دونوں فریق اس کی وجہ سے فکر و منہج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اتنے دور ہیں جیسے آسمان اور زمین ایک دوسرے سے دور ہیں۔

وہ بنیادی نظریہ ''عقیدۂ امامت'' ہے۔ اہلِ تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ ''وصیِ رسول'' ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلیفۂ رسول، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کی تھی۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت صحیح نہیں تھی، بلکہ یہ تینوں خلافتیں غاصبانہ تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کر کے بنائی گئی تھیں۔ اس لیے یہ تینوں خلفاء بلکہ ان کی بیٹیاں (حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما) بھی ان کے طعن و تشنیع کا خصوصی ہدف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب کہ اہلِ سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ''وصیِ رسول'' ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ ایک من گھڑت عقیدہ ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی وصیت کی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی کے مطابق عمل کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اول نمبر حق ضرور تسلیم کرتے۔

اہلِ تشیع کا دوسرا عقیدہ، جس کا تعلق اسی عقیدۂ امامت سے ہے، یہ ہے کہ ''امام'' نبی اور رسول کی طرح ''مامور من اللہ اور معصوم'' ہوتا ہے، یعنی اس کی نامزدگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے (وہ عالم الغیب اور کائنات کے اندر تصرف کرنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ)۔ اہلِ سنت کے نزدیک ''مامور من اللہ'' صرف نبی اور رسول ہوتا ہے، اسی لیے وہ ''بارہ اماموں'' اور ان کی ''معصومیت'' کو تسلیم نہیں کرتے۔ اہلِ سنت کے نزدیک معصوم صرف پیغمبر ہوتا ہے۔

اس بنیادی عقیدۂ امامت کی وجہ سے اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے درمیان اختلافات کی ایسی وسیع خلیج حائل ہے کہ جسے پاٹنا ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ کے مصداق ہے، لیکن بدقسمتی سے اہلِ سنت کے عوام اپنے مسلکِ حقہ سے کماحقہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے محرم کے مہینے میں بہت سی ایسی رسومات کا ارتکاب کرتے ہیں یا ایسے تصورات ان کے ذہنوں میں راسخ ہیں جو اہلِ سنت کے موقف کے یکسر مخالف ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں اہلِ سنت کے ایسے ہی عوام وخواص کو مخاطب کر کے ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے درمیان تو اتنا عظیم فرق ہے جو مذکور ہوا، لیکن ماہِ محرم میں ان کا طرزِ عمل وفکر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ڈانڈے شیعیت سے جا ملتے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اہلِ سنت کے عوام وخواص کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ماہِ محرم کی رسومات وتصورات سے دامن بچا کر اپنا امتیاز برقرار رکھنا چاہیے۔ وفقنا اللہ وإیاکم لما یحب ویرضیٰ.

صلاح الدین یوسف

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

جنوری ۲۰۲۰ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

10

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا ماہِ محرم کی فضیلت شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے سبب ہے؟

اس مہینے کی حرمت کا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مہینہ اس لیے قابلِ احترام ہے کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحۂ دلگداز پیش آیا تھا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہ سانحۂ شہادت تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پچاس سال بعد پیش آیا، جبکہ دین کی تکمیل نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں کر دی گئی تھی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلٰمَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ: ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔''

اس لیے یہ تصور اس آیتِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ پھر خود اسی مہینے میں اس سے بڑھ کر ایک اور سانحۂ شہادت اور عظیم واقعہ پیش آیا تھا، یعنی یکم محرم کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ۔ اگر بعد میں ہونے والی ان شہادتوں کے منانے کی شرعاً کوئی حیثیت ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت اس لائق تھی کہ اہلِ اسلام اس کا اعتبار کرتے اور اسے ایک یادگار مناتے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایسی تھی کہ اس کی یادگار ۱۸ ذوالحجہ کو منائی جاتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر ان شہادتوں کی بنا پر اگر اسلام میں ماتم وشیون کی اجازت ہوتی تو یقیناً تاریخِ اسلام کی یہ دونوں شہادتیں ایسی تھیں کہ اہلِ اسلام ان پر جتنی بھی سینہ کوبی اور ماتم وگریہ زاری کرتے، کم ہوتا۔ لیکن ایک تو اسلام میں اس ماتم وگریہ زاری کی اجازت نہیں، دوسرا یہ تمام واقعات تکمیلِ دین کے بعد پیش آئے ہیں، اس لیے ان کی یاد میں مجالسِ عزا اور محافلِ ماتم قائم کرنا دین میں اضافہ ہے جس کے ہم قطعاً مجاز نہیں۔

سالِ نو کے آغاز پر مبارکبادی کے پیغام یا جشنِ مسرت کا انعقاد؟

اس وقت تقریباً ساری دنیا میں عیسائی کیلنڈر رائج ہے جس میں سالِ نو کا آغاز جنوری سے ہوتا ہے۔ ایک دو اسلامی ملکوں کو چھوڑ کر باقی اسلامی ملکوں میں بھی یہی عیسائی تقویم نافذ ہے جو مسلمان حکمرانوں کی بے حسی اور اسلامی شعائر کی قدر واہمیت سے بے اعتنائی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں عیسائی سالِ نو کے آغاز پر اسلامی ملکوں میں بھی ایک طبقہ اسی طرح طرب ومسرت کا اظہار کرتا یا تبریک وتہنیت کا پیغام دیتا یا ''ہیپی نیو ائیر'' (Happy new year) کا طربیہ الاپتا ہے، جیسے اس موقع پر مغربی ملکوں میں ہوتا ہے، حالانکہ ایسا کرنا « تشبه بالكفار » (کافروں کی مشابہت اختیار کرنا) ہے جس پر حدیث میں نہایت سخت وعید آئی ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) [1]

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہوگا۔''

بنابریں عیسائی سالِ نو کے آغاز پر اس طرح کے مظاہرے مغرب زدہ طبقے کے ذہنی ارتداد اور بغاوت کے غماز ہیں جن کی اسلامی ملکوں میں قطعاً اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

---

[1] سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہم مسلمانوں کے سالِ نو کا آغاز یکم محرم سے ہوتا ہے جو چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک حرمت والا مہینہ ہے۔ حرمت والے مہینے کا مطلب ہے کہ اس مہینے میں جدال و قتال، قتل و غارت گری اور اس طرح کی دیگر بری حرکتوں کے ارتکاب کی اجازت نہیں ہے۔ ان کاموں کی اجازت تو اگرچہ کسی وقت بھی نہیں ہے، لیکن حرمت والے مہینوں میں ان باتوں کی شناعت وقباحت دو چند ہو جاتی ہے۔

اس لیے اصل ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ہم مسلمان اپنے سالِ نو کے آغاز پر یہ عہد کریں کہ ہم اللہ کی حرمتوں کو پامال نہیں کریں گے اور اللہ کی حدود کو نہیں توڑیں گے۔ حلال و حرام کی پابندی کریں گے اور غم و حزن کی کیفیت ہو یا طرب و مسرت کا لمحہ، ہم کسی حالت میں بھی شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

13

عشرۂ محرم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مطلوب احترام

عشرۂ محرم میں عام دستور و رواج ہے کہ شیعی اثرات کے زیرِ اثر واقعاتِ کربلا کو مخصوص رنگ اور افسانوی و دیو مالائی انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ شیعی ذاکرین تو اس ضمن میں جو کچھ کرتے ہیں وہ عالم آشکارا ہے، لیکن بدقسمتی سے بہت سے اہلِ سنت کے واعظانِ خوش گفتار اور خطیبانِ سحر بیان بھی گرمیِ محفل اور عوام سے دادِ تحسین وصول کرنے کے لیے اسی تال سر میں ان واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جو شیعیت کی مخصوص ایجاد اور ان کی انفرادیت کی غماز ہے۔

اس سانحۂ شہادت کا ایک پہلو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی ہے جس کے بغیر شیعوں کی ''محفل ماتمِ حسین'' مکمل نہیں ہوتی۔ اہلِ سنت اس پستی و کمینگی تک تو نہیں اترتے، تاہم بعض لوگ بوجوہ بعض صحابہ پر کچھ نکتہ چینی کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، مثلاً: ایک ''مفکر'' صاحب نے محرم کے عمومی مزاج کا حق ادا کرتے ہوئے یزید بن معاویہ کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہاں تک فرما دیا کہ قلیل الصحبت ہونے کی وجہ سے ان کی قلبِ ماہیت نعوذ باللہ نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کا فرقِ مراتب کے باوصف بحیثیت صحابی ہونے کے یکساں عزت و احترام اسلام کا مطلوب ہے۔ کسی صحابی کے بارے میں زبانِ طعن و تشنیع کھولنا اور ریسرچ کے عنوان پر نکتہ چینی کرنا ہلاکت و تباہی کے خطرے کو دعوت دینا ہے۔

صحابی کی تعریف ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے ایمان کی حالت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نبیِ کریم ﷺ کو دیکھا ہو، چاہے قلیل الصحبت ہو یا کثیر الصحبت، نیز ایمان ہی کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو۔ قرآن و حدیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو عمومی فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں، ان کا اطلاق بھی ہر صحابی پر ہوگا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں صحابی کی جس تعریف کو سب سے زیادہ صحیح اور جامع قرار دیا ہے، وہ یہ ہے:

"وَ أَصَحُّ مَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ مِنْ ذَلِكَ أَنَّ الصَّحَابِيَّ: مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُؤْمِناً بِهِ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ. فَيَدْخُلُ فِيمَنْ لَقِيَهُ مَنْ طَالَتْ مُجَالَسَتُهُ لَهُ أَوْ قَصُرَتْ، وَمَنْ رَوَىٰ عَنْهُ أَوْ لَمْ يَرْوِ، وَمَنْ غَزَا مَعَهُ أَوَ لَمْ يَغْزُ، وَمَنْ رَآهُ رُؤْيَةً وَلَمْ يَغْزُ، وَمَنْ رَآهُ رُؤْيَةً وَلَمْ يُجَالِسْهُ، وَمَنْ لَّمْ يَرَهُ بِعَارِضٍ كَالْعَمَىٰ"[1]

"سب سے زیادہ صحیح تعریف صحابی کی جس پر میں مطلع ہوا ہوں وہ یہ ہے: "وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبیِ اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام ہی پر اس کی موت ہوئی۔" پس اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے نبیِ اکرم ﷺ سے ملاقات کی (قطع نظر اس سے کہ) اسے آپ ﷺ کی ہم نشینی کا شرف زیادہ حاصل رہا یا کم، آپ ﷺ سے روایت کی یا نہ کی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ غزوے میں شریک ہوا یا نہیں اور جس نے آپ ﷺ کو صرف ایک ہی نظر سے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی مجالست (ہم نشینی) کی سعادت کا موقع اسے نہ ملا ہو اور جو کسی خاص سبب کی بنا پر آپ ﷺ کی رؤیت کا شرف حاصل نہ کر سکا ہو، جیسے نابینا پن۔"

---

[1] الإصابة في تمييز الصحابة (١/١٥٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس لیے بعض اہلِ سنت کا خلفائے اربعہ ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور ان جیسے دیگر اکابر صحابہ کی عزت و توقیر کو تو ملحوظ رکھنا، لیکن بعض جلیل القدر اصحابِ رسول کی منقبت و تقدیس کا خیال نہ رکھنا یا کم از کم انھیں مطلوب احترام کا مستحق نہ سمجھنا جن کے اسمائے گرامی مشاجرات کے سلسلے میں آتے ہیں، جیسے حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، یکسر غلط اور رفض و تشیع سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہے۔

اہلِ سنت کو اس نکتے پر غور کرنا چاہیے کہ خلفائے راشدین کی عزت و توقیر تو کسی حد تک معقولیت پسند شیعہ حضرات بھی ملحوظ رکھنے پر مجبور ہیں اور ان کا ذکر وہ نامناسب انداز میں کرنے سے بالعموم گریز ہی کرتے ہیں، البتہ حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وغیرہ کو وہ بھی معاف نہیں کرتے۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لیوا بھی یہی موقف اختیار کر لیں تو پھر محبانِ صحابہ اور دشمنانِ صحابہ میں فرق کیا رہ جاتا ہے؟ نیز ان صحابہ کو مطلوب احترام سے فروتر خیال کر کے ان کے شرف و فضل کو مجروح کرنا کیا صحابیت کے قصرِ رفیع میں نقب زنی کا ارتکاب نہیں ہے؟ کیا اس طرح نفسِ صحابیت کا تقدس مجروح نہیں ہوتا اور صحابیت کی ردائے عظمت (معاذ اللہ) تار تار نہیں ہوتی؟

بہرحال ہم عرض یہ کر رہے ہیں کہ قرآن و حدیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو عمومی فضائل و مناقب مذکور ہیں، وہ تمام صحابہ کو محیط و شامل ہیں، اس میں قطعاً کسی استثنا کی کوئی گنجایش نہیں ہے اور ان نصوص کی وجہ سے ہم اس امر کے پابند ہیں کہ تمام صحابہ کو نفسِ صحابیت کے احترام میں یکساں عزت و احترام کا مستحق سمجھیں۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات، احادیثِ رسول اور اقوالِ ائمہ ہر وقت ہمارے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ [1]

[1] حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی یہ نشاندہی درست اور حقیقت کی عکاس ہے، بلکہ اب ⇐

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

16

تحقیق کے نام پر بعض حضرات کھلم کھلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کر۔ ز لگے ہیں۔ ھداھم اللہ تعالیٰ

اس سلسلے میں سید مودودی سے لے کر قاضی مظہر حسین اور امین صفدر اوکاڑوی صاحب تک سب ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق جو مذموم طرزِ عمل سید مودودی نے اپنی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' میں اختیار کیا، اسی پر جناب قاضی مظہر حسین صاحب اپنی کتاب ''خارجی فتنہ'' میں چلتے نظر آتے ہیں جہاں وہ علامہ اسحٰق صدیقی سندیلوی صاحب کے رد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف باغی و جائر و خاطی قرار دینے پر پورا زور صرف کرتے نظر آتے ہیں، بلکہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے کے ''جرم'' میں صریحاً نصِ قرآنی کی مخالفت کرنے والا تک قرار دینے سے نہیں چُوکتے۔ گویا خطائے اجتہادی اپنے مرتبے سے گر کر نصِ قرآنی کی مخالفت کرنے کی معصیت ٹھہرا دی گئی۔ اسی طرح جب علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی نے ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' نامی کتاب لکھی تو اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ندوۃ العلماء کے نگران امتحان جناب عبداللہ عباس ندوی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ ان کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا تک کو تو نہ بخشا اور ان کے اسلام کو منافقانہ قرار دے کر سانحۂ کربلا کو جنگِ بدر کا بدلہ قرار دے دیا۔ پھر ماضی قریب کے مولوی اسحاق جھالوی اور حال کے انجینئر محمد علی مرزا کی شیعیت کی ہم نوائی پر مبنی خیالات سے کون واقف نہیں جس کا اظہار یہ حضرات اپنے ویڈیو لیکچرز میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جناب میں کرتے نظر آتے ہیں۔ (محمد فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

17

فضائل اہلِ بیت اور اہلِ بیت کا مطلب

اس موقع پر ہم فضائل اہلِ بیت بالخصوص حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی بابت بھی چند حدیثیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کتاب میں آگے سانحۂ کربلا پر ضروری بحث آ رہی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جو سانحۂ کربلا پر دیو مالائی ڈگر سے ہٹ کر تحقیقی انداز سے گفتگو کرتا ہے وہ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتا۔ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ اسی خلافِ واقعہ تأثر کو دور کرنے کے لیے ذیل میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل پر مبنی چند احادیث بھی پیشِ خدمت ہیں۔

اہلِ بیت کون ہیں؟

لیکن قبل اس کے کہ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کریں، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے یہ واضح کیا جائے کہ اہلِ بیت کون ہیں یا کون کون ہیں؟ کیونکہ اہلِ بیت کے مصداق میں بھی لوگوں نے افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔

ایک گروہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہلِ بیت نہیں سمجھتا، حالانکہ قرآن کریم کی رو سے ازواجِ مطہرات اہلِ بیتِ نبوی ہیں۔ ایک دوسرا گروہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو اہلِ بیت میں سے نہیں سمجھتا۔ ہماری رائے میں یہ دونوں ہی موقف غلط ہیں۔ اصل میں یہ دونوں ہی اہلِ بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات قرآن کریم کی رُو سے اہلِ بیت ہیں اور حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم حدیث کی رُو سے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣]

''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔''

یہاں سیاق و سباق کی رُو سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی اہلِ بیتِ نبوی ہیں۔ قرآن کے دوسرے مقام [هود: ٤٦] پر بھی بیوی کو اہلِ بیت کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نزلت في نساء النبي ﷺ'' (تفسیر ابن کثیر) یعنی ''یہ آیتِ (تطہیر) نبیِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

اس اثر کے راوی حضرت عکرمہ کہا کرتے تھے کہ اس سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں، کسی کو اس سے انکار ہے تو میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ علاوہ ازیں ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «أَنْتِ مِنْ أَهْلِي» [1] ''تو میرے اہلِ بیت سے ہے۔''

اس لیے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا نصِ قرآنی اور حدیث سے واضح ہے۔ علاوہ ازیں داماد اور اولاد ان روایات کی رُو سے اہلِ بیت ہیں جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جن میں نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا: «اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِي» [1]

''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔''

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، حديث: ٢٤٠٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس کا مطلب ہے کہ یہ میرے اہلِ بیت سے ہیں یا یہ دعا ہے کہ یااللہ! ان کو بھی ازواجِ مطہرات کی طرح میرے اہلِ بیت میں شامل فرما دے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔

فضیلتِ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما:

① نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»[1]

''وہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں سے میرے دو پھول ہیں۔''

② حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا، جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک مرتبہ حضرت حسن کی طرف اور فرماتے:

«اِبْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ»[2]

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔''

نبیِ اکرم ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور ۴۰ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ بنائے گئے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے درمیان صلح ہو گئی۔ اس سے قبل پانچ سال سے مسلمان خانہ جنگی کا شکار چلے آ رہے

---

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: ٣٧٥٣

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: ٣٧٤٦.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے، اس صلح میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کردار سب سے زیادہ اہم اور بنیادی تھا۔

③ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو پکڑتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا»[1]

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔''

④ سیدنا براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر ہیں اور آپ یہ دعا کر رہے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ»[2]

''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔''

⑤ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«اِرْقَبُوا مُحَمَّداً ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ»[3]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے اہلِ بیت کے بارے میں خیال رکھو، یعنی انھیں سب وشتم کرو نہ ایذا پہنچاؤ۔''

⑥ اہلِ بیت کون یا کون کون ہیں؟ ذیل کی حدیث سے بھی اس کی توضیح ہوتی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

---

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: ٣٧٤٦.

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: ٣٧٤٩.

[3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: ٣٧٥١.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

21

''میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں (تین دفعہ فرمایا)۔''

حضرت حصین نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید نے جواب دیا:

« نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَلٰكِنْ أَهْلُ بَيْتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهُ قَالَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ آلُ عَلِيٍّ، وَآلُ عَقِيلٍ، وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ عَبَّاسٍ »[1]

''آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن آپ کے اہلِ بیت وہ بھی ہیں جن پر آپ کے بعد زکات حرام ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کون (کون) ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس ہیں ....۔''

⑦ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ، اِسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ »[2]

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، حديث: ٢٤٠٨.

[2] جامع الترمذي، المناقب، باب إن الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة، حديث: ٣٧٨١ اس حدیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ دیکھیں: "لقط اللآلي المتناثرة في الأحاديث المتواترة" حديث: ٢٣٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''بے شک یہ وہ فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نازل نہیں ہوا، اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام پیش کرے اور خوش خبری دے کہ بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔''

اہلِ بیت اور ان کے فضائل و مناقب کی طرف یہاں اجمالی اشارہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سانحۂ کربلا کے سلسلے میں اس کتاب میں جو مباحث ہیں، ان سے کسی کو اس مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے لکھنے اور شائع کرنے والے (نعوذ باللہ) اہلِ بیت کے فضائل و مناقب کے منکر ہیں۔ حاشاوکلا، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تاریخی حقائق پر تحقیقی انداز سے گفتگو کرنے کا مطلب پروپیگنڈے کی ان دبیز تہوں کو صاف کرنا ہے جو اس واقعے پر ڈال دی گئی ہیں نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا انکار۔ پڑھنے والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر حقائق پر غور کریں۔ نہ افراط کا شکار ہو کر تاریخی حقائق کا انکار کریں اور نہ تفریط میں مبتلا ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت کسی بھی صحابی کی تنقیصِ شان کا ارتکاب کریں۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب، تفاوتِ درجات کے باوجود، قابلِ احترام ہیں۔ ان کی تنقیص و اہانت ضیاعِ ایمان کا باعث ہے۔ فنعوذ باللہ من ھذا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ماہِ محرم اور عاشورۂ محرم

عشرۂ محرم (محرم کے ابتدائی دس دن) میں شیعہ حضرات جس طرح مجالسِ عزا اور محافلِ ماتم برپا کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ یہ سب اختراعی چیزیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مزاج کے قطعاً مخالف ہیں۔ اسلام نے تو نوحہ و ماتم کے اس انداز کو ''جاہلیت'' سے تعبیر کیا ہے اور اس کام کو باعثِ لعنت بلکہ کفر تک پہنچا دینے والا بتلایا ہے۔ بدقسمتی سے اہلِ سنت میں سے ایک بدعت نواز حلقہ اگرچہ نوحہ و ماتم کا شیعی انداز تو اختیار نہیں کرتا، لیکن ان دس دنوں میں بہت سی ایسی باتیں اختیار کرتا ہے جن سے رفض و تشیع کی ہمنوائی اور ان کے مذہبِ باطل کا فروغ ہوتا ہے، مثلاً:

- شیعوں کی طرح سانحۂ کربلا کو مبالغے اور رنگ آمیزی سے بیان کرنا۔
- حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی بحث کے ضمن میں جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (معاویہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما وغیرہ) کو ہدفِ طعن و ملامت بنانے میں بھی تأمل نہ کرنا۔
- دس محرم کو تعزیے نکالنا، انھیں قابلِ تعظیم و پرستش سمجھنا، ان کی منتیں ماننا، حلیم پکانا، پانی یا دودھ وغیرہ کی سبیلیں لگانا۔
- اپنے بچوں کو ہرے رنگ کے کپڑے پہنا کر انھیں حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر بنا کر گھر گھر جا کر بھیک مانگنا اور منگوانا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

- دس محرم کو تعزیوں اور ماتم کے جلوسوں میں ذوق و شوق سے شرکت کرنا اور کھیل کود (گٹکے اور پٹہ بازی) سے ان محفلوں کی رونق میں اضافہ کرنا، وغیرہ۔
- ماہِ محرم کو سوگ کا مہینا سمجھ کر اس میں شادیاں نہ کرنا۔
- ذوالجناح (گھوڑے) کے جلوس میں ثواب کا کام سمجھ کر شرکت کرنا۔
- ذوالجناح (گھوڑے) کو متبرک سمجھنا، اس کو چومنا اور بچوں کو اس کے نیچے سے گزارنے کو سعادت سمجھنا وغیرہ۔

اور اسی انداز کی کئی چیزیں، حالانکہ یہ سب چیزیں بدعت ہیں جن سے نبیِ اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اجتناب ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے:

« فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »[1]

''مسلمانو! تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے ہی کو اختیار کرنا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دین میں اضافہ شدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا، اس لیے کہ دین میں نیا کام (چاہے وہ بظاہر کیسا ہی ہو) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

یہ بات ہر کسی پر واضح ہے کہ یہ سب چیزیں صدیوں بعد کی پیداوار ہیں، بنابریں ان کے بدعات ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور نبیِ اکرم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے مذکورہ بالا خود ساختہ رسومات کی شناعت و قباحت

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: ٤٦٠٧، ومسند أحمد (١٢٦/٤، ١٢٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

محرم میں مسنون عمل:

محرم میں مسنون عمل صرف روزے ہیں۔ حدیث میں رمضان کے علاوہ نفلی روزوں میں محرم کے روزوں کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

"أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ" [1]

"رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔"

محرم کے روزے کی فضیلت بالخصوص دس محرم کے روزے کی حدیث میں یہ فضیلت آئی ہے کہ یہ ایک سال کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ [2]

اس روز نبیِ اکرم ﷺ بھی خصوصی روزہ رکھتے تھے۔ (ترغیب وترہیب) پھر نبیِ اکرم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہودی بھی اس امر کی خوشی میں کہ دس محرم کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی، روزہ رکھتے ہیں تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

« صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَخَالِفُوْا الْيَهُوْدَ، صُوْمُوْا قَبْلَهُ يَوْماً أَوْ بَعْدَهُ يَوْماً » [3]

"عاشورہ (دس محرم) کا روزہ تو ضرور رکھو، لیکن یہودیوں کی مخالفت بھی بایں طور کرو کہ اس کے بعد یا اس سے قبل ایک روزہ اور ساتھ ملا لیا کرو۔"

اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صحیح اور بعض کے نزدیک

---

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: ١١٦٣.

[2] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة ...، حديث: ١١٦٢.

[3] مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر، حديث: ٢١٥٤، ومجمع الزوائد (٤٣٤/٣) مطبوعة دار الفكر ١٤١٤هـ/١٩٩٤ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غیر صحیح ہے۔ البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے صحیح سند سے یہ موقف مروی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشورے کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو صحابہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ دن تو ایسا ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ بھی کرتے ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَئِنْ بَقِيتُ إِلَىٰ قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَةَ»[1]

یعنی اگر میں آیندہ سال زندہ رہا تو نو کا روزہ بھی رکھوں گا، لیکن اگلا محرم آنے سے قبل ہی آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ایک ضروری وضاحت: «لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَةَ» کا مطلب:

بعض علماء کہتے ہیں: ''میں نویں محرم کا روزہ رکھوں گا'' کا مطلب ہے کہ صرف محرم کی ۹ تاریخ ہی کا روزہ رکھوں گا، یعنی دس محرم کا روزہ نہیں۔ بلکہ اس جگہ ۹ محرم کا روزہ رکھوں گا، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اب صرف نو محرم ہی کا روزہ رکھنا مسنون عمل ہے۔ ۱۰ محرم کا روزہ رکھنا بھی صحیح نہیں اور ۱۰ محرم کے ساتھ ۹ محرم کا روزہ ملا کر رکھنا بھی سنت نہیں۔ بلکہ اب سنت صرف ۹ محرم کا ایک روزہ ہے۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں۔ نبیِ اکرم ﷺ کے فرمان کا مطلب ہے کہ میں ۱۰ محرم کے ساتھ ۹ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ اسی لیے ہم نے ترجمے میں ...بھی ...کا اضافہ کیا ہے، کیوں کہ ۱۰ محرم کا روزہ تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نجات پانے کی خوشی میں رکھا تھا، اس اعتبار سے ۱۰ محرم کے روزے کی مسنونیت تو مسلّم ہے، لیکن یہودیوں کی مخالفت کے لیے آپ نے اس کے ساتھ ۹ محرم کا روزہ رکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا جس پر عمل کرنے کا موقع آپ کو نہیں ملا۔

---

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب أي يوم يصام في عاشورا؟ حديث: ١١٣٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں ۱۰ محرم کے روزے کی فضیلت بھی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ ایک (گزشتہ) سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ کیا ۹ محرم کے روزے کی بھی کوئی فضیلت کسی حدیث میں آئی ہے؟ یا نبیِ اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ جو فضیلت ۱۰ محرم کے روزے کی تھی اب وہ فضیلت ۹ محرم کے روزے کی ہو گی؟ یا اب تم نے ۱۰ محرم کا روزہ نہیں رکھنا، صرف ۹ محرم ہی کا روزہ رکھنا ہے۔ اگر ان میں سے کسی امر کا بھی ثبوت نہیں ہے تو فرمانِ رسول کا مطلب یہی ہو گا کہ دس محرم کے ساتھ نو محرم کا روزہ بھی رکھا جائے، نہ کہ صرف ۹ محرم کا۔ بعض آثار سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، جیسے مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

"خَالِفُوا الْيَهُودَ وَصُومُوا التَاسِعَ وَالْعَاشِرَ"[1]

"یہودیوں کی مخالفت کرو اور ۹، ۱۰ محرم کا روزہ رکھو۔"

علاوہ ازیں "لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَةَ" حدیث کے راوی بھی حضرت ابن عباس ہیں اور مصنف عبدالرزاق میں انہی کا قول بیان ہوا ہے۔ گویا راوی کی حدیث کی وضاحت خود راوی ہی کے فتوے سے ہو گئی ہے، اس کے بعد "لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَةَ" کے مفہوم میں اشکال باقی نہیں رہتا اور نہ رہنا چاہیے۔ اسی لیے صاحبِ مرعاۃ علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، امام ابن قیم اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے اسی مفہوم کو زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔[2]

ایک اور مثال سے وضاحت:

"ہی" اور "بھی" کی جو وضاحت ہم نے کی ہے، اس کو ایک اور مثال سے

---

[1] مصنف عبدالرزاق (٤/٢٨٧، حدیث: ٧٨٣٩)

[2] ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح: (٣/٢٧٠) طبع قدیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣]

''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔''

یہ آیت ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ اس سے ماقبل کی آیات سے واضح ہے۔ اس آیت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن (نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں) کو ''اہلِ بیت'' کہا گیا ہے، جیسا کہ سورت ہود میں بھی یہ لفظ بیوی ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اس نص قرآنی کی رُو سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ''اہلِ بیت'' ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں رہتی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے تو آپ نے حضرت فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے، ان کو بھی چادر میں ڈھانپ لیا اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا»

''اے اللہ! یہ (بھی) میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے بھی پلیدی دور کر دے اور ان کو بالکل پاک کر دے۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! میں بھی ان کے ساتھ ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تو اپنی جگہ پر ہی رہ اور تو خیر ہی پر ہے۔''[1]

[1] جامع الترمذي، حديث: ٣٢٠٥.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں، اس میں بظاہر ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ ''بھی'' ہو۔ لیکن حدیث کا سیاق اور لفظ اس ''بھی'' کا مقتضی ہے، کیوں کہ آیاتِ قرآنیہ سے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا ثابت ہے، جب کہ حدیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان چاروں حضرات کے لیے اللہ سے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں، ان کو بھی پاک فرما۔'' اگر یہاں ترجمے میں ''بھی'' کا لفظ نہیں لگایا جائے گا تو ازواجِ مطہرات اہلِ بیت سے نکل جائیں گی اور صرف حدیث میں مذکورہ چار افراد ہی اہلِ بیت شمار ہوں گے، جیسا کہ حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ شیعوں کا یہ موقف غلط ہے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا قرآن کریم کی نص سے ''اہلِ بیت'' ہونا ثابت ہے اور حدیث کی رُو سے حضرت علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی اہلِ بیت ہیں، لیکن شیعہ موقف کی تغلیط اسی وقت ہو گی جب حدیث کے ترجمے میں سیاق کے اعتبار سے ''بھی'' کا بھی اضافہ کیا جائے گا۔

عاشورہ کے دن توسیعِ طعام سال بھر رزق میں اضافے کا سبب ہے؟

محرم کی دسویں تاریخ کے بارے میں جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس دن جو شخص اپنے اہل و عیال پر فراخی کرے گا، اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر فراخی کرے گا۔ یہ بالکل بے اصل ہے جس کی صراحت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمۂ محققین نے کی ہے، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''۱۰ محرم کو خاص کھانا پکانا، توسیع کرنا وغیرہ من جملہ ان بدعات و منکرات سے ہے جو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین اور نہ ائمۂ مسلمین میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔''[1]

[1] فتاوی ابن تیمیہ (۳۵٤/۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول مذکورہ روایت کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: "لَا أَصْلَ لَهُ، فَلَمْ يَرَهُ شَيْئاً"[1] (اس کی کوئی اصل نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کو کچھ نہیں سمجھا)۔

اسی طرح امام صاحب کی کتاب "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْم" (ص: ۳۰۱ طبع مصر ۱۹۵۰ء) میں اس کی صراحت موجود ہے۔ نیز امام محمد بن وضاح نے اپنی کتاب "اَلْبِدَعُ وَالنَّهْيُ عَنْهَا" میں امام یحییٰ بن یحییٰ (متوفی ۲۳۴ھ) سے نقل کیا ہے۔

> "میں امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں مدینہ منورہ اور امام لیث، ابن القاسم اور ابن وہب کے ایام میں مصر میں موجود تھا اور یہ دن (عاشورا) وہاں آیا تھا، میں نے کسی سے اس دن توسیعِ رزق کا ذکر تک نہیں سنا۔ اگر ان کے ہاں کوئی ایسی روایت ہوتی تو باقی احادیث کی طرح اس کا بھی وہ ذکر کرتے۔"[2]

اس روایت کی پوری سندی تحقیق حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے اپنے ایک مفصل مضمون میں کی ہے جو "الاعتصام" (۱۳ مارچ ۱۹۷۰ء) میں شائع ہوا تھا۔ مَنْ شَآءَ فَلْيُرَاجِعْهُ!

یہ تمام مذکورہ امور وہ ہیں جو اہلِ سنت کے عوام کرتے ہیں۔ شیعہ ان ایام میں جو کچھ کرتے ہیں، ان سے اس وقت بحث نہیں، اس وقت ہمارا روئے سخن اہلِ سنت کی طرف ہے کہ وہ بھی دینِ اسلام سے ناواقفیت، عام جہالت اور ایک برخود غلط

---

[1] منهاج السنة (۲/۲٤۸) اور فتاویٰ مذکور

[2] البدع والنهي عنها (ص: ٤٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرقے کی دسیسہ کاریوں سے بے خبری کی بنا پر مذکورہ بالا رسومات بڑی پابندی اور اہتمام سے بجا لاتے ہیں، حالانکہ یہ تمام چیزیں اسلام کے ابتدائی دور کے بہت بعد کی ایجاد ہیں جو کسی طرح بھی دین کا حصہ نہیں اور نبیِ اکرم ﷺ کے فرمان: ((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) [1] ''دین میں نو ایجاد کام مردود ہے۔'' کے مصداق ان سے اجتناب ضروری ہے۔

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... حديث: ٢٦٩٧، وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... حديث: ١٧١٨

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

32

مذکورہ بالا بدعات ورسومات کی ہلاکت خیزیاں

دین میں اپنی طرف سے اضافے ہی کو بدعت کہا جاتا ہے، پھر یہ چیزیں صرف بدعت ہی نہیں ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان میں سے بعض شرک اور بت پرستی کے ضمن میں آجاتی ہیں، جیسے تعزیہ سازی ہے۔ کیوں کہ:

اولاً: تعزیے میں روحِ حسین رضی اللہ عنہ کو موجود اور انھیں عالم الغیب سمجھا جاتا ہے۔ تب ہی تو یہ لوگ تعزیوں کو قابلِ تعظیم سمجھتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں، حالانکہ کسی بزرگ کی روح کو حاضر و ناظر جاننا اور عالم الغیب سمجھنا شرک وکفر ہے، چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب ''فتاویٰ بزازیہ'' میں لکھا ہے:

''مَنْ قَالَ: أَرْوَاحُ الْمَشَايِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ، يُكَفَّرُ''

''جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور وہ علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہے۔''

ثانیاً: تعزیہ پرست تعزیوں کے سامنے سر نیہوڑتے ہیں جو سجدے ہی کی ذیل میں آتا ہے، بلکہ کئی لوگ تو کھلم کھلا سجدے بجا لاتے ہیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا، چاہے وہ تعبدی ہو یا تعظیمی، شرکِ صریح ہے، چنانچہ کتبِ فقہ میں بھی سجدہ لغیر اللہ کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں:

''إِنْ كَانَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالىٰ عَلىٰ وَجْهِ التَّعْظِيمِ كُفْرٌ''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''غیر اللہ کو تعظیمی طور (بھی) سجدہ کرنا کفر ہے۔''

نیز علامہ قہستانی حنفی فرماتے ہیں:

''يُكَفَّرُ بِالسَّجْدَةِ مُطْلَقاً''[1]

''یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا مطلقاً کافر ہے چاہے عبادتاً ہو یا تعظیماً۔''

ثالثاً: تعزیہ پرست نوحہ خوانی و سینہ کوبی کرتے ہیں اور ماتم و نوحہ میں کلماتِ شرکیہ ادا کرتے ہیں۔ اول تو نوحہ بجائے خود غیر اسلامی فعل ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»[2]

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان چاک کیے اور زمانۂ جاہلیت کے سے بین کیے۔''

یہ صورتیں جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں، نوحہ و ماتم کے ضمن میں آتی ہیں، جو ناجائز ہیں۔ اس لیے فطری اظہارِ غم کے علاوہ اظہارِ غم کی جو بھی مصنوعی اور غیر فطری صورتیں ہوں گی، وہ سب ناجائز نوحے میں شامل ہوں گی، پھر ان نوحوں میں مبالغہ کرنا اور زمین و آسمان کے قلابے ملانا اور عبد و معبود کے درمیان فرق کو مٹا دینا تو وہی جاہلانہ شرک ہے جس کے مٹانے کے لیے ہی تو اسلام آیا تھا۔

رابعاً: تعزیہ پرست تعزیوں سے اپنی مرادیں اور حاجات طلب کرتے ہیں جو صریحاً شرک ہے۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں مظلومانہ شہید ہو گئے اور

---

[1] رد المحتار (٦/٣٨٣)

[2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، حديث: ١٢٩٧.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے اہل وعیال کو ظالموں کے پنجے سے نہ بچا سکے تو اب بعد از وفات وہ کسی کے کیا کام آسکتے ہیں؟

خامساً: تعزیہ پرست حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مصنوعی قبر، جس کو شبیہ کہا جاتا ہے، بناتے ہیں اور اس کی زیارت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بھی بت پرستی ہی کی شکل ہے، جیسا کہ کسی بزرگ کا مقولہ بھی ہے:

"مَنْ زَارَ قَبْراً بِلَا مَقْبُوْرٍ كَأَنَّمَا عَبَدَ الصَّنَمَ"[1]

"جس نے ایسی خالی قبر کی زیارت کی جس میں کوئی میت نہیں تو گویا اس نے بت کی پوجا کی۔"

مذکورہ بالا وجوہات کے پیشِ نظر بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ تعزیہ سازی ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴾ [الصافات: ۹۵] "کیا تم ان کی پرستش کرتے ہو، جن کو تم خود تراشتے ہو۔" کی مصداق ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی صراحت:

علاوہ ازیں اہلِ سنت عوام کی اکثریت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی عقیدت کیش ہے، لیکن تعجب ہے کہ اس کے باوجود ان کے اکثر لوگ محرم کی ان خود ساختہ رسومات میں خوب ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں، حالانکہ مولانا احمد رضا خان نے بھی ان رسوماتِ محرم سے منع کیا ہے اور انھیں بدعت، ناجائز اور حرام لکھا ہے اور ان کو دیکھنے سے بھی روکا ہے، چنانچہ ان کا فتویٰ ہے:

"تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض وروگردانی کریں، اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہیے۔"[2]

---

[1] رسالہ "تنبیہ الضالین" از مولانا اولاد حسن، والد نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ

[2] عرفانِ شریعت (۱۵/۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کا ایک مستقل رسالہ ''تعزیہ داری'' ہے، اس کے صفحہ (۴) پر لکھتے ہیں:

- ''غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت محلِ عبادت ٹھہرا تھا، ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔''
- ''یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا خود ساختہ تصویریں بعینہٖ حضرات شہداء رضی اللہ عنہم کے جنازے ہیں۔''
- ''کچھ اتارا باقی توڑا اور دفن کر دیے۔ یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم میں دو وبال جداگانہ ہیں۔ اب تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے۔ قطعاً بدعت و ناجائز اور حرام ہے۔''
- صفحہ (۱۱) پر لکھتے ہیں:

''تعزیہ پر چڑھایا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیے۔ اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دیں تو بھی اس کے کھانے سے احتراز کریں۔''

- نیز صفحہ (۱۵) پر حسبِ ذیل سوال و جواب ہیں:

سوال تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عرائض بہ امید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعتِ حسنہ اس کو داخلِ حسنات جاننا کیسا گناہ ہے؟

جواب افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سیئہ وممنوع و ناجائز ہیں۔

- اسی طرح محرم کی دوسری بدعت مرثیہ خوانی کے متعلق ''عرفانِ شریعت'' کے حصہ اول (صفحہ: ۱۶) میں ایک سوال و جواب یہ ہے:

سوال محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

جواب ناجائز ہے، وہ مناہی و منکرات سے پُر ہوتے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

محرم کو سوگ کا مہینا سمجھا جاتا ہے، اس لیے بالعموم ان ایام میں سیاہ یا سبز لباس پہنا جاتا ہے اور شادی بیاہ سے اجتناب کیا جاتا ہے، اس کے متعلق مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں: ''محرم میں سیاہ، سبز کپڑے علامتِ سوگ ہے اور سوگ حرام ہے۔''[1]

سوال کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں:

① بعض اہلِ سنت و جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے اور نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔

② ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

③ ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

جواب ''تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔''[2]

قرآن و حدیث کی ان تصریحات اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کی توضیح کے بعد امید ہے کہ بریلوی علماء اپنے عوام کی صحیح راہنمائی فرمائیں گے اور عوام اپنی جہالت اور علماء کی خاموشی کی بنا پر جو مذکورہ بدعات وخرافات کا ارتکاب کرتے ہیں یا کم از کم ایسا کرنے والوں کے جلوسوں میں شرکت کر کے ان کے فروغ کا سبب بنتے ہیں، ان کو ان سے روکنے کی پوری کوشش کریں گے۔

---

[1] احکامِ شریعت (ص:۱۷)

[2] احکامِ شریعت (۱/۱۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

37

اہلِ سنت کے غور وفکر کے لیے چند اہم باتیں

ماہِ محرم کی ان بدعات اور غیر شرعی رسومات کے علاوہ واقعۂ کربلا سے متعلق بھی اکثر اہلِ سنت کا زاویۂ فکر صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں، امید ہے کہ اہلِ سنت حلقے ان پر پوری سنجیدگی اور علم وبصیرت کی روشنی میں غور فرمائیں گے۔

کیا معرکہ کربلا، حق و باطل کا مقابلہ تھا یا ایک حادثہ؟

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اہلِ سنت کے خطباء اور واعظین فلسفۂ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کو بالعموم اس طرح بیان کرتے ہیں جو خالصتاً شیعی اندازِ فکر اور رافضی آئیڈیالوجی کا مظہر ہوتا ہے اور اس کے متعلق یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ تاریخِ اسلام میں حق و باطل کا سب سے بڑا معرکہ تھا۔ واعظین خوش بیان یہ نہیں سوچتے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو خیر القرون میں جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ایک معتد بہ جماعت موجود تھی اور ان کے فیض یافتگان تابعین تو بہ کثرت تھے، اس معرکے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی اکیلے کیوں صف آرا ہوتے؟ معرکہ ہوتا حق و باطل اور کفر و اسلام کا اور صحابہ و تابعین اس سے نہ صرف یہ کہ الگ رہتے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے روکتے، کیا ایسا ممکن تھا؟

شیعی آئیڈیالوجی تو یہی ہے کہ وہ (معاذ اللہ) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کفر و ارتداد اور منافقت کے قائل ہیں اور وہ یہی کہیں گے کہ ہاں اس معرکۂ کفر و اسلام میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف صحابہ سمیت یزید اور دیگر ان کے تمام حمایتی۔ صحابہ و تابعین اس جنگ میں خاموش تماشائی بنے رہے اور حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کو بچانے کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ لیکن کیا اہلِ سنت اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیں گے؟

کیا صحابہ و تابعین کی اس بے حمیتی کی وہ تصدیق کریں گے جو شیعی اندازِ فکر کا منطقی نتیجہ ہے؟

کیا صحابہ نعوذ باللہ غیرتِ دینی سے خالی تھے؟ ان میں دینی حمیت اور دین کو بچانے کا جذبہ نہیں تھا؟

یقیناً کوئی اہلِ سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اس قسم کا عقیدہ نہیں رکھتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بڑی تلخ ہے کہ اہلِ سنت واعظین شہادتِ حسین کا جو فلسفہ بیان کرتے ہیں، وہ اسی تال سر سے ترتیب پاتا ہے جو شیعیت کا مخصوص راگ ہے۔ [1]

---

[1] حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی یہ نشاندہی صد فی صد درست ہے۔ خود اہلِ حدیث مکتبہ فکر میں کئی ایسے اصحابِ علم پیدا ہو چکے ہیں جنھوں نے معرکہ کربلا کو ایک حادثۂ فاجعہ کے بجائے رزمِ حق و باطل بنا کر بیان کیا ہے اور کئی وضعی تاریخی روایات کا سہارا لے کر حادثۂ کربلا کو معرکۂ حق و باطل بنا کر پیش کیا ہے، جس سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مدحت ایک طرف لیکن کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس وقت نہ صرف حیات تھے بلکہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل بھی تھے جیسے سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا انس بن مالک، کعب بن عمر، صہیب بن سنان، نعمان بن بشیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عوف بن مالک، ابو امامہ باہلی، ضحاک بن قیس، عمرو بن امیہ، عقبہ بن نافع، عقبہ بن عامر، مقدام بن معدیکرب، ثابت بن ضحاک، عمر بن ابی سلمہ، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی ذاتِ گرامی پر تبرا لازم آتا ہے کہ انھوں نے اس خروج میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا اور ان کو ان کے اہل و عیال کے ساتھ ''ظلماً'' شہید ہونے کے لیے کربلا کے میدان میں اکیلا چھوڑ دیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس ایڈیشن کی اشاعت کے بعد فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی ان گزارشات پر اصحابِ علم ان مندرجات کی اصلاح پر غور کریں گے جن سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اس ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقعہ یہ ہے کہ سانحۂ کربلا کو معرکۂ حق و باطل باور کرانے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتِ کردار اور ان کی دینی حمیت مجروح ہوتی ہے اور شیعوں کا مقصد بھی یہی ہے۔ لیکن یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ واقعہ ایسا ہے یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کا تصادم نہیں تھا۔ یہ کفر و اسلام کا معرکہ نہیں تھا، یہ اسلامی جہاد نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس راہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اکیلے نہ ہوتے۔ ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعاون بھی انھیں حاصل ہوتا جن کی پوری عمریں اعلائے کلمۃ اللہ میں گزریں۔ جو ہمہ وقت باطل کے لیے شمشیرِ برہنہ اور کفر و ارتداد کے لیے خدائی للکار تھے۔ یہ تصادم دراصل ایک سیاسی نوعیت کا تھا، اس نکتے کو سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل پہلو قابلِ غور ہیں:

- واقعاتِ کربلا سے متعلقہ سب ہی تاریخوں میں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب کوفے کی طرف کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو ان کے رشتے داروں اور ہمدردوں نے انھیں روکنے کی پوری کوشش کی اور اس اقدام کے خطرناک نتائج سے انھیں آگاہ کیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو الدرداء، حضرت ابو واقد لیثی، جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بھائی محمد ابن الحنفیہ نمایاں ہیں۔ آپ نے ان کے جواب میں نہ عزمِ سفر ملتوی فرمایا نہ اپنے موقف کی کوئی دلیل پیش کی، ورنہ ممکن تھا کہ وہ بھی اس موقف میں ان کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہو جاتے۔ دراصل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اہلِ کوفہ ان کو مسلسل کوفہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں، یقیناً وہاں جانا مفید ہی رہے گا۔

← ''معرکہ حق و باطل'' میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دے کر ان کو ''ظلماً'' شہید ہونے دے دیا۔ (محمد فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

❁ یہ بھی تمام تاریخوں میں آتا ہے کہ ابھی آپ راستے ہی میں تھے کہ آپ کو خبر پہنچی کہ کوفے میں آپ کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل شہید کر دیے گئے، جن کو آپ نے کوفے کے حالات معلوم کرنے کے لیے ہی بھیجا تھا۔ اس المناک خبر سے آپ کا اہلِ کوفہ سے اعتماد متزلزل ہو گیا اور واپسی کا عزم ظاہر کیا۔ لیکن حضرت مسلم رحمہ اللہ کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس ہونے سے انکار کر دیا کہ ہم تو اپنے بھائی کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مر جائیں گے۔ اس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھارے بغیر میں بھی جی کر کیا کروں گا؟''

امام طبری لکھتے ہیں:

''فَهَمَّ أَنْ يَّرْجِعَ وَكَانَ مَعَهُ إِخْوَةُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيْلٍ فَقَالُوْا: وَاللّٰهِ لَا نَرْجِعُ حَتّٰى نُصِيْبَ بِثَأْرِنَا أَوْ نُقْتَلَ''[1]

''چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا، لیکن آپ کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے، انھوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ہم انتقام نہ لے لیں یا پھر خود بھی قتل ہو جائیں۔''

اور یوں اس قافلے کا سفر کوفے کی طرف جاری رہا۔

❁ پھر اس پر بھی تمام تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مقامِ کربلا پر پہنچے تو گورنر کوفہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے آپ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ عمر بن سعد نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی تو متعدد تاریخی روایتوں کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی:

''اِخْتَرْ مِنِّيْ إِحْدٰى ثَلَاث: إِمَّا أَنْ أَلْحَقَ بِثَغْرٍ مِّنَ الثُّغُوْرِ،

---

[1] تاريخ الطبري (٢٩٢/٤)، مطبعة الاستقامة، قاهرة ١٩٣٩ء

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وَإِمَّا أَنْ أَرْجِعَ إِلَىٰ الْمَدِيْنَةِ، وَإِمَّا أَنْ أَضَعَ يَدِي فِيْ يَدِ يَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَبِلَ ذَلِكَ عُمَرُ مِنْهُ"[1]

"تین باتوں میں سے ایک بات مان لو۔ میں یا تو کسی اسلامی سرحد پر چلا جاتا ہوں یا واپس مدینہ منورہ لوٹ جاتا ہوں یا پھر میں (براہِ راست جا کر) یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتا ہوں۔ (اس سے بیعت کر لیتا ہوں) عمر بن سعد نے ان کی یہ تجویز قبول کر لی۔"

ابن سعد نے خود منظور کر لینے کے بعد یہ تجویز ابن زیاد (گورنر کوفہ) کو لکھ کر بھیج دی۔ مگر اس نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ پہلے وہ (یزید کے لیے) میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ امام طبری رقمطراز ہیں:

"فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُبَيْدُ اللّٰهِ (ابْنُ زِيَادٍ): لَا أَقْبَلُ مِنْهُ حَتّٰى يَضَعَ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ"[2]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور ان کی طبع خود دار نے یہ گوارا نہیں کیا، چنانچہ اس شرط کو مسترد کر دیا، جس پر لڑائی چھڑ گئی اور آپ کی مظلومانہ شہادت کا یہ حادثۂ فاجعہ پیش آ گیا۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن.

تاریخ طبری میں ہے:

"فَامْتَنَعَ الْحُسَيْنُ فَقَاتَلُوْهُ ... ثُمَّ كَانَ آخِرُ ذَلِكَ أَنْ قُتِلَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ"

اس روایت کے مذکورہ بالا الفاظ جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بیعتِ یزید پر

---

[1] الإصابة (٧١/٢) الطبعة ١٩٩٥ء دار الكتب العلمية

[2] الإصابة (٧١/٢) تاريخ الطبري (٢٨٣/٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رضا مندی کا اظہار فرمایا، "الإصابة" کے علاوہ تهذيب التهذيب (۳۲۸/۲۔ ۳۵۳)، تاريخ الطبري (۲۹۳/٤)، تهذيب تاريخ ابن عساكر (۳۲۵/٤۔ ۳۳۷)، البداية والنهاية (۱۷۰/۸۔۱۷۵)، كامل ابن اثير (۲۸۳/۳) اور دیگر کئی کتابوں میں موجود ہیں، حتی کہ شیعی کتابوں میں بھی مرقوم ہیں۔ ان کے دوسرے الفاظ بھی ہیں، تاہم نتیجے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ "البداية والنهاية" میں یہ بھی ہے کہ ابن زیاد نے بھی مذکورہ بالا تین باتوں میں سے یزید کے پاس جانے والی تجویز پر عمل کرنے کا عندیہ دے دیا تھا، لیکن شمر بن ذی الجوشن نے اس بات پر اصرار کیا کہ پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ابن زیاد کے حکم کو تسلیم کریں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَهَمَّ (ابن زياد) أن يسيّره إلىٰ يزيد، فقال شمر بن ذي الجوشن: لا، إلا أن ينزل على حكمك، فأرسل إلى الحسين بذلك، فقال الحسين: وَاللّٰهِ لا أفعل"[1]

ان تاریخی شواہد سے معلوم ہوا کہ اگر یہ حق و باطل کا معرکہ ہوتا تو کوفے کے قریب پہنچ کر جب آپ کو مسلم بن عقیل کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تھی، آپ رضی اللہ عنہ واپسی کا عزم ظاہر نہ فرماتے۔ ظاہر بات ہے کہ راہِ حق میں کسی کی شہادت سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ساقط نہیں ہو جاتا۔

پھر ان شرائطِ مصالحت سے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے سامنے رکھیں، یہ بات بالکل نمایاں ہو جاتی ہے کہ آپ کے ذہن میں کچھ تحفظات تھے بھی تو آپ ان سے دست بردار ہو گئے تھے، بلکہ یزید کی حکومت تک کو تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

[1] البداية والنهاية (۱۷۱/۸، ۱۷۲) طبع ۱۹۸۸ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک یہ بات بھی اس سے واضح ہوئی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ امیر یزید کو فاسق و فاجر یا حکومت کے لیے نااہل نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کسی حالت میں بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کے لیے تیار نہ ہوتے، جیسا کہ وہ تیار ہو گئے تھے، بلکہ یزید کے پاس جانے کے مطالبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس سے حسنِ سلوک ہی کی توقع تھی۔ ظالم و سفاک بادشاہ کے پاس جانے کی آرزو تو (آخری چارۂ کار) کے طور پر بھی) کوئی نہیں کرتا۔

اس تفصیل سے اس حادثے کے ذمے دار بھی عریاں ہو جاتے ہیں اور وہ ہے ابن زیاد کی فوج، جس میں سب وہی کوفی تھے جنھوں نے آپ کو خط لکھ کر بلایا تھا۔ انہی کوفیوں نے عمر بن سعد کی سعیِ مصالحت کو بھی ناکام بنا دیا جس سے کربلا کا یہ المناک سانحۂ شہادت پیش آیا۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَّقْدُوراً.

(اس کی مزید تفصیل ہماری کتاب ''فضائل صحابہ و اہلِ بیت'' کے آخر میں ''سانحۂ کربلا، پسِ منظر اور اہم اسباب'' میں ملاحظہ فرمائیں)

عجیب تضاد:

تین شرطوں والی روایت کو بعض لوگ نہیں مانتے، لیکن یہ کیسا عجیب تضاد ہے کہ تاریخ کی تمام وہ رطب و یابس روایات ان کے نزدیک معتبر ہیں جنھوں نے سانحۂ کربلا کو نہایت خوف ناک بنا دیا ہے جس سے خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کردار بھی مجروح ہوتا ہے، لیکن جن شرطوں والی روایت سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کردار بے داغ ثابت ہو جاتا ہے اور ان کی مظلومیت واضح ہوتی ہے، تاریخ کی اس متفقہ روایت کو یہ لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں۔[1]

---

[1] بعض اہلِ علم نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ان تین شرائط والی روایت کو ضعیف ثابت کرنا چاہا ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمان اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شہادت:

جب واقعہ یہ ہے کہ یہ معرکہ سیاسی نوعیت کا حامل ہے، حق و باطل کا معرکہ نہیں ہے تو بہتر ہے کہ ایامِ محرم میں اس موضوع ہی سے احتراز کیا جائے کہ ان دنوں میں اس سانحے کو اپنے بیان و خطابت کا موضوع بنانا بھی شیعیت کو فروغ دینا ہے، کیوں کہ تاریخِ اسلام میں اس سے بھی زیادہ اہم تر شہادتوں کو نظر انداز کر کے سانحۂ کربلا کو اجاگر کرنا بھی رفض و تشیع ہی کا انداز ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کچھ کم جگر سوز اور دل دوز ہے جو ۱۸ ذوالحجہ کو ہوئی؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ کیا معمولی سانحہ ہے جو یکم محرم کو پیش آیا؟ اسی طرح اور بڑی بڑی شہادتیں ہیں، لیکن ان سب کو نظر انداز کر کے صرف شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی زبان و قلم کا موضوع بنانا کسی طرح صحیح نہیں اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بالواسطہ اور شعوری یا

← ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت اس قدر کثرتِ طرق سے روایت کی گئی ہے کہ اگر اس کی تمام اسانید ضعیف بھی ہوتیں تو یہ حسن لغیرہ کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت صحیح سند سے ثابت ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اس کو اپنی تاریخ میں ہلال بن یساف کی سند سے روایت کیا ہے جو صحیح السند روایت ہے۔ جیسا کہ دکتور محمد بن عبدالہادی بن رزاق الشیبانی نے اپنی کتاب "مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية" (صفحہ: ۳۴۲) میں تصریح کی ہے۔ نیز فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ اس روایت کو اپنی کتاب "یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ" میں صفحہ ۳۶۴۔۳۶۵ پر نقل کر کے لکھتے ہیں:

"یہ سند بالکل صحیح ہے۔ امام طبری کے استاذ محمد بن عمار الرازی یہ ابو جعفر، محمد بن عمار بن الحارث، الوازعی الرازی ہیں۔ یہ ثقہ ہیں۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۷ھ) نے کہا: "كتبت عنه، وهو صدوق ثقة" (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۶۳/۸) یعنی میں نے ان سے لکھا ہے اور یہ صدوق اور ثقہ ہیں۔ اس کے اوپر سند وہی ہے جو انساب الاشراف للبلاذری میں ہے اور ان راویوں کی توثیق گذشتہ سطور میں پیش کی جا چکی ہے۔" (محمد فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غیر شعوری طور پر شیعی اندازِ فکر کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔[1]

''امام'' اور ''علیہ السلام'':

اسی طرح اہلِ سنت کی اکثریت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا سوچے سمجھے ''امام حسین علیہ السلام'' بولتی ہے، حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''امام'' کا لفظ بولنا اور اسی طرح ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' کہنا بھی شیعیت ہے۔ ہم تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عزت و احترام کے لیے ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ہم کبھی ''امام ابو بکر صدیق''، ''امام عمر'' نہیں بولتے۔ اسی طرح ہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' لکھتے ہیں اور بولتے ہیں اور کبھی ''ابو بکر صدیق علیہ السلام

---

[1] حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی یہ بات کس قدر درست، منطقی اور صائب فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم اہلِ سنت بھی روافض کی پیروی میں محرم الحرام میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قصے وضعی روایتوں کے طفیل محراب و منبر سے بیان کر کے رافضیت کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں جبکہ ہمارے وہ تمام خطیب جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو الم ناک قرار دے کر ماہِ محرم میں اس کا پرچار کرنا اور اس پر خطبات دینا از بس ضروری سمجھتے ہیں، ان میں سے بیشتر حضرات سیدنا عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت پر کچھ کہتے نظر نہیں آتے۔ کسی کو زیادہ فکر ہوتی بھی ہے تو ان حضرات کی شہادت کا ذکر عام پیرائے میں کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، لیکن جیسے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بات آتی ہے تو روایتوں کا وہ طومار باندھا جاتا ہے کہ الامان الحفیظ اور اس وقت اہلِ سنت اور اہلِ تشیع خطباء میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ہم انتہائی افسوس و دکھ کے ساتھ اس بات کی بھی نشاندہی کریں گے کہ ہمارے بعض واعظین جو خود کو اہلِ حدیث منہج سے منسوب کرتے ہیں، وہ حافظ صلاح الدین حفظہ اللہ کی اس صائب سوچ اور درست طرزِ فکر کو فرسودہ اور گھٹیا قرار دیتے ہیں، عجیب جرأت ہے! کیا مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ وغیرہ جیسے ثقہ اہلِ علم کی سوچ کو بھی فرسودہ اور گھٹیا قرار دیا جا سکتا ہے....! (فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یا حضرت عمر علیہ السلام'' نہیں بولتے۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' بولتے ہیں۔ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟

دراصل یہ شیعیت کا وہ اثر ہے جو غیر شعوری طور پر ہمارے اندر داخل ہو گیا ہے، اس لیے یاد رکھیے کہ چونکہ شیعوں کا ایک بنیادی مسئلہ ''امامت'' کا بھی ہے اور امام ان کے نزدیک انبیاء کی طرح من جانب اللہ نامزد اور معصوم ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں، اس لیے وہ ان کے لیے ''امام'' کا لفظ بولتے ہیں اور اسی طرح ان کے لیے ''علیہ السلام'' لکھتے اور بولتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ایک صحابیِ رسول ہیں ''امام معصوم'' نہیں، نہ ہم شیعوں کی امامت معصومہ کے قائل ہی ہیں۔ اس لیے ہمیں انھیں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' لکھنا اور بولنا چاہیے۔ ''امام حسین علیہ السلام'' نہیں، کیوں کہ یہ الفاظ شیعوں کے مسموم عقائد اور مخصوص تکنیک کے غماز ہیں۔

یزید پر سب وشتم کا مسئلہ:

اسی طرح مسئلہ یزید پر سب وشتم کا ہے، جسے بدقسمتی سے رواج عام حاصل ہو گیا ہے اور بڑے بڑے علامہ فہامہ بھی یزید کا نام بُرے الفاظ سے لیتے ہیں، بلکہ اس پر لعنت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اس کو ''حبِ حسین'' اور حبِ اہلِ بیت'' کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بھی اہلِ سنت کے مزاج اور مسلک سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ محققین علمائے اہلِ سنت نے یزید پر سب وشتم کرنے سے بھی روکا ہے اور اسی ضمن میں اس امر کی صراحت بھی کی ہے کہ یزید کا قتل حسین میں کوئی ہاتھ ہے نہ اس نے ایسا کوئی حکم دیا اور نہ اس میں اس کی رضا مندی ہی شامل تھی۔ ہم یہاں امام غزالی کی تصریحات نقل کرتے ہیں، جن سے عام اہلِ سنت بھی عقیدت رکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ کا موقف بھی آگے وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

"مَا صَحَّ قَتْلُهُ الْحُسَيْنَ رضی اللہ عنہ وَلَا أَمْرُهُ وَلَا رِضَاهُ بِذَلِكَ، وَمَهْمَا لَمْ يَصِحَّ ذَلِكَ مِنْهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُظَنَّ ذَلِكَ بِهِ، فَإِنَّ إِسَاءَةَ الظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ أَيْضًا حَرَامٌ، وَقَدْ قَالَ تَعَالٰى .... فَهَذَا أَمْرٌ تُعْرَفُ حَقِيقَتُهُ أَصْلًا، وَإِذَا لَمْ يُعْرَفْ وَجَبَ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِكُلِّ مُسْلِمٍ يُمْكِنُ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِ"[1]

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کا قتل کرنا یا ان کے قتل کرنے کا حکم دینا یا ان کے قتل پر راضی ہونا، یہ تینوں باتیں درست نہیں اور جب یہ باتیں یزید کے متعلق ثابت ہی نہیں تو پھر یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے متعلق ایسی بدگمانی رکھی جائے، کیوں کہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی حرام ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ... بنابریں ہر مسلمان سے حسنِ ظن رکھنے کے وجوب کا اطلاق یزید سے حسن ظن پر بھی ہوتا ہے۔"

اسی طرح وہ اپنی معروف کتاب "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں:

"فَإِنْ قِيلَ: هَلْ يَجُوزُ لَعْنُ يَزِيدَ بِكَوْنِهِ قَاتِلَ الْحُسَيْنِ أَوْ آمِراً بِهِ؟ قُلْنَا: هَذَا لَمْ يَثْبُتْ أَصْلًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَهُ أَوْ أَمَرَ بِهِ، مَا لَمْ يَثْبُتْ"[2]

"اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنی جائز ہے، کیوں کہ وہ

[1] وفيات الأعيان (٣/٢٨٨)

[2] إحياء العلوم (٣/١٣١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہے یا قتل کا حکم دینے والا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ باتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں اور جب تک یہ باتیں ثابت نہ ہوں، اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے قتل کیا یا قتل کا حکم دیا۔"

پھر مذکورۃ الصدر مقام پر اپنے فتوے کو آپ نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

"وَأَمَّا التَّرَحُّمُ عَلَيْهِ فَجَائِزٌ مُسْتَحَبٌّ، بَلْ هُوَ دَاخِلٌ فِي قَوْلِنَا فِي كُلِّ صَلَاةٍ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، فَإِنَّهُ كَانَ مُؤْمِنًا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ"[1]

"یزید کے لیے رحمت کی دعا کرنا (رحمۃ اللہ علیہ کہنا) نہ صرف جائز، بلکہ مستحب ہے اور وہ اس دعا میں داخل ہے جو ہم ہر نماز میں کہا کرتے ہیں: یا اللہ! مومن مردوں اور مومن عورتوں سب کو بخش دے۔ اس لیے کہ یزید مومن تھا۔ واللہ اعلم۔"[2]

---

[1] وفیات الأعیان (۲۸۸/۳)

[2] یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی ممانعت سے متعلق امام غزالی اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے علاوہ اور بھی کئی علماء کے اقوال ملتے ہیں جیسا کہ "صواعق محرقہ" میں علامہ ابن الصلاح کا قول نقل ہوا ہے کہ آپ یزید پر سب وشتم کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"اب رہی یزید کے حق میں بدگوئی اور اس پر لعنت تو یہ ایمان والوں کی شان نہیں ہے ..... یزید کے باب میں لوگ تین فرقوں میں بٹ گئے ہیں: ایک فرقہ اس سے محبت و دوستی رکھتا ہے، دوسرا اس کی بدگوئی اور اس پر لعنت کرتا ہے اور تیسرا اس باب میں معتدل ومتوسط ہے۔ نہ اس کی دوستی کا دم بھرتا ہے نہ اس پر لعنت کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتا ہے جو دوسرے بادشاہانِ اسلام اور خلفائے غیر راشدین کے ساتھ کرتا ہے، یہی گروہ صحیح راستے پر ہے اور اسی کا مذہب ومسلک اس شخص کے لائق ہے جو گذشتہ لوگوں کی روش سے واقف ہے اور شریعتِ مطہرہ کے قواعد کا عالم ہے۔" (صواعق محرقہ، صفحہ: ۱۳۳) .... [محمد فہد حارث]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا احمد رضا خاں کی صراحت:

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی، جو تکفیرِ مسلم میں نہایت بے باک مانے جاتے ہیں، یزید کے بارے میں یہ وضاحت فرمانے کے بعد کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اسے کافر جانتے ہیں[1] اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں، اپنا مسلک یہ بیان کرتے ہیں:

''اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر، لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے۔''[2]

فسق و فجور کے افسانے؟

رہی بات یزید کے فسق و فجور کے افسانوں کی تو یہ بھی یکسر غلط ہے، جس کی تردید کے لیے خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برادر اکبر محمد ابن الحنفیہ کا یہ بیان ہی کافی ہے جو انھوں نے اس کے متعلق اسی قسم کے افسانے سن کر دیا تھا:

''مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُوْنَ، وَقَدْ حَضَرْتُهُ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ فَرَأَيْتُهُ مُوَاظِبًا عَلَى الصَّلَاةِ مُتَحَرِّيًا لِّلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ

---

[1] مولانا احمد رضا خاں کا امام احمد رحمہ اللہ کی جانب تکفیرِ یزید کی نسبت کرنا محلِ نظر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بسند صحیح تکفیرِ یزید ثابت نہیں۔ تاہم بعض علما نے ان کی جانب لعنِ یزید کا نظریہ پیش کیا ہے، لیکن بعد از تحقیق یہ بھی ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں صراحت کی ہے:

''اولاً تو امام احمد رحمہ اللہ سے لعنتِ یزید کی روایت ثابت نہیں ہے، بلکہ ایک منقطع روایت میں ایسا نقل کیا گیا ہے ..... امام احمد سے لعنِ یزید کے باب میں جو قول ثابت اور محقق ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لڑکے صالح نے جب لعنِ یزید کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے کب دیکھا ہے؟'' (المنتقیٰ، صفحہ: ۲۹۱) .... [محمد فہد حارث]

[2] احکامِ شریعت (۲/۸۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الْفِقْهِ مُلَازِمًا لِّلسُّنَّةِ"[1]

''تم ان کے متعلق جو کچھ کہتے ہو، میں نے ان میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میں نے ان کے ہاں قیام کیا ہے اور میں نے انھیں پکا نمازی، خیر کا متلاشی، مسائلِ شریعت سے لگاؤ رکھنے والا اور سنت کا پابند پایا ہے۔''[2]

غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کے لیے بشارتِ نبوی:

علاوہ ازیں کم از کم ہم اہلِ سنت کو اس حدیث کے مطابق ہی یزید کو برا بھلا کہنے سے باز رہنا چاہیے جس میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے

[1] البداية والنهاية (٢٣٦/٨)

[2] یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف فسق و فجور کی تہمتوں کا رد کرتے ہوئے مفسرِ قرآن قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''العواصم من القواصم'' میں لکھتے ہیں:

''(یعنی) اگر کہیے کہ شروطِ خلافت میں سے علم اور عدالت بھی ہے تو ہم کہیں گے کہ ہم کس دلیل سے یہ سمجھیں کہ وہ (یزید) عالم یا عادل نہیں تھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ تینوں حضرات فضلاء (عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن الزبیر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم) جنھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت نہ لینے کا مشورہ دیا تھا، یزید کی جہالت و فسق کا ذکر ضرور کرتے۔ ان لوگوں نے تو صرف یہ اعتراض کیا کہ یہ تحکم اور خود رائی ہے، خلیفہ کا انتخاب شوریٰ سے ہونا چاہیے۔'' (العواصم من القواصم، صفحہ: ٢٢٣)

اس کے بعد (صفحہ: ٢٢٧) پر فرماتے ہیں:

''(یعنی) اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا، تو ہم کہیں گے کہ دو عینی شاہدوں کی شہادت کے بغیر ایسا کہنا حلال نہیں ہے۔ پس یہ بتاؤ کہ کس نے اس کے خلاف یہ چشم دید گواہی دی ہے۔ اس کے برخلاف ایک عادل نے اس کی عدالت کی شہادت البتہ دی ہے۔ چنانچہ ابن بکیر امام لیث سے ناقل ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ''امیر المومنین یزید نے فلاں تاریخ میں انتقال کیا۔'' امام لیث بنو امیہ کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد یہ فرما رہے ہیں۔ پس اگر یزید ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو وہ اس سے زیادہ نہ کہتے کہ ''یزید فلاں تاریخ کو مرا۔'' (فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

والوں کے لیے مغفرت کی بشارت دی ہے اور یزید اس جنگ کا کمانڈر تھا۔ یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے اور نبیِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ کسی کاہن یا نجومی کی پیشین گوئی نہیں کہ بعد کے واقعات اسے غلط ثابت کر دیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر نبیِ اکرم ﷺ کے فرمان اور کاہن کی پیش گوئی میں فرق باقی نہ رہے گا۔ کیا ہم اس حدیث کی مضحکہ خیز تاویلیں کر کے یہی کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

یہ حدیث مع ترجمہ درج ذیل ہے:

«أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ»[1]

''جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کرے گی، وہ مغفور، یعنی بخشی بخشائی ہے۔''

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما قيل في قتال الروم، حديث: ٢٩٢٤

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سوالات اور ان کے جوابات

سابقہ مضمون کی ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں اشاعت کے بعد ایک بریلوی ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' (گوجرانوالہ) کے مدیر نے اس پر آٹھ سوالات لکھ کر راقم کو بھیجے، جن کا جواب بھی انہی دنوں ''الاعتصام'' کے چاروں شماروں میں شائع کر دیا گیا تھا۔ رسالہ مذکورہ کی طرف سے آج تک ان کا جواب نہیں دیا گیا۔ افادۂ عام کی غرض سے یہ سوالات و جوابات بھی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

سوال واقعۂ کربلا میں حق و صحیح موقف کس کا تھا اور ناحق و غلط کس کا: یزید یا امام حسین رضی اللہ عنہ کا؟

جواب موقفِ حسین و یزید:

افسوس ہے کہ مدیر مذکور نے یہ سوال کر کے وہ روایت دہرا دی جو مشہور ہے کہ ساری رات یوسف و زلیخا کا قصہ سننے کے بعد صبح کو کسی نے پوچھا کہ زلیخا مرد تھی یا عورت؟ حالانکہ راقم نے اپنے مذکورہ مضمون میں سب سے پہلے اسی نکتے پر بحث کی ہے کہ اس معرکے کو جو حق و باطل اور کفر و اسلام کا معرکہ باور کرایا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ کہ اس کو فی الواقع حق و باطل کا معرکہ تسلیم کر لینے سے اہلِ سنت کے بنیادی عقیدے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و رفعت اور ان کی بے مثال دینی حمیت و عصبیت) پر سخت ضرب پڑتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد بتلایا تھا کہ یہ معرکہ اگر حق و باطل کا نہ تھا تو اس کی نوعیت کیا تھی؟ پھر ہم نے خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ انھوں نے مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پا کر واپس لوٹ جانے کا جو ارادہ ظاہر فرمایا اور پھر کوفہ پہنچنے کے بعد وہاں سے واپس جانے کی جو صورتیں پیش فرمائیں، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ سابقہ موقف سے جو بھی ان کے ذہن میں تھا، رجوع فرما لیا گیا۔ ان کے نزدیک یہ معرکہ حق و باطل کا ہوتا تو وہ ہرگز اس سے رجوع نہ فرماتے۔

دراصل موصوف یہ سوال کر کے کہ صحیح موقف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تھا یا یزید کا؟ ایک عام جذباتی فضا سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، کیوں کہ عام ذہن یہ بنا دیا گیا ہے کہ یزید بہت بُرا شخص ہے، خانوادۂ رسول کا دشمن تھا اور دنیا جہاں کی خرابیاں اس میں جمع تھیں۔ اس فضا میں کون شخص حقیقت سے پردہ اٹھانے کی ہمت کر سکتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص یہ جرأت کر لے تو ایسے شخص کے متعلق فوراً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو ''اہلِ بیت'' کا دشمن ہے۔ دیکھو تو کتنی جرأت سے حادثہ کربلا کی تحقیق کے درپے ہے؟!

تاہم چند باتیں اہلِ علم و فکر کے غور کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔

یزید کے موقف کی وضاحت تاریخ میں موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس وقت کی ساری قلم رو میں وہ حضرت معاویہ کے صحیح جانشین قرار دیے گئے۔ صرف مدینہ منورہ میں چار صحابیوں سے بیعت لینی باقی تھی:

① حضرت عبداللہ بن عمر ② حضرت عبداللہ بن عباس ③ حضرت عبداللہ بن زبیر ④ حضرت حسین ... رضی اللہ عنہم.... اول الذکر دونوں بزرگوں نے یزید کی حکومت باقاعدہ طور پر منظور کر لی، جیسا کہ تاریخ طبری وغیرہ سب تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے، جب کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تأمل کیا، جس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا:

"اِتَّقِيَا اللّٰهَ وَلَا تَفَرَّقَا بَيْنَ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ"[1]

"اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اور واقعہ یہ ہے کہ جن محققین علمائے امت نے حقائق کی روشنی میں جذبات سے الگ ہو کر اس پر غور کیا ہے، وہ یزید کی حکومت کو اسی طرح درست تسلیم کرتے رہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر سارے شہروں کے سب صحابہ و تابعین نے، صرف مذکور الصدر دو صحابیوں کے سوا، یزید کو وقت کا امیر المومنین تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ ۶۰۰ھ میں وفات پانے والے ایک بڑے عابد و زاہد اور اونچے پائے کے محدث وفقیہ امام حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی رحمہ اللہ سے جب یزید کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا:

"خِلَافَتُهُ صَحِيْحَةٌ. قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: بَايَعَهُ سِتُّوْنَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، مِنْهُمُ ابْنُ عُمَرَ، وَأَمَّا مَحَبَّتُهُ فَمَنْ أَحَبَّهُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَمَنْ لَّمْ يُحِبَّهُ فَلَا يَلْزَمُهُ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَيَلْتَزِمُ مَحَبَّتُهُمْ إِكْرَامًا لِّصُحْبَتِهِمْ"[2]

"یزید کی خلافت صحیح تھی، چنانچہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ساٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بشمول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی بیعت کر لی تھی۔ رہی اس سے محبت رکھنے کی بات تو اگر اس سے کوئی محبت رکھتا ہے تو اس پر نکیر نہیں

---

[1] البداية والنهاية (٨/١٥٠)، وتاريخ الطبري (٤/٢٥٤)

[2] ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب رحمہ اللہ (٢/٣٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرنی چاہیے، تاہم کوئی اس سے محبت نہ رکھے، تب بھی کوئی ایسی بات نہیں، کیونکہ وہ صحابی تو نہیں جس سے محبت رکھنا شرعاً ضروری ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک نے یزید کی بیعت کر لی تھی تو ظاہر ہے یزید کا موقف یہی ہو سکتا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دوسرے لوگوں کے ساتھ ہو کر اس کی حکومت کو صحیح جانیں، تاکہ انتشار کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعد کی حاشیہ آرائیوں اور فلسفہ طرازیوں سے صرفِ نظر کر کے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں اپنے موقف کی کبھی وضاحت ہی نہیں فرمائی کہ وہ کیا چاہتے تھے اور ان کے ذہن میں کیا تجویز تھی؟ یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد جب گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے انھیں یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے فرمایا کہ میں خفیہ بیعت نہیں کر سکتا، اجتماع عام میں بیعت کروں گا:

"أَمَّا مَا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِنَّ مِثْلِي لَا يُعْطِي بَيْعَتَهُ سِرًّا وَّلَا أَرَاكَ تَجْتَزِئُ بِهَا مِنِّي سِرًّا دُوْنَ أَنْ نُّظْهِرَهَا عَلَى رُؤُوْسِ النَّاسِ عَلَانِيَةً"

گورنر نے انھیں مزید مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ مہلت پا کر مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ مکہ پہنچ کر بھی انھوں نے کوئی وضاحت نہیں کی، البتہ وہاں سے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں، جس کی خبر پا کر ہمدرد و بہی خواہ، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ متعدد صحابی بھی تھے، انھیں کوفہ جانے سے روکتے رہے، لیکن وہ کوفہ جانے پر ہی مصر رہے۔ حتی کہ ایک موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رشتہ دار عبداللہ بن جعفر [1] گورنر مکہ عمر بن سعید کے پاس آئے اور ان سے استدعا کی کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ایک چٹھی لکھ دیں، جس میں واضح الفاظ میں انھیں

---

[1] سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا زاد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے ایک خاص تعلق و محبت تھی۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت کافی ملتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں سے تھے اور حبشہ ہجرت کرنے والے جوڑوں میں سے تھے۔ آپ کی بیوی ام المومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔ غزوۂ موتہ میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص حزن و ملال تھا جس کا تذکرہ کئی روایتوں میں ملتا ہے۔ انہی جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے سب سے بڑے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تھے جو حبشہ میں پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے خصوصی اُنس و محبت تھی۔ ان عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہ بیاہی تھیں جن سے ان کی اولاد امِ کلثوم تولد ہوئی تھیں۔ حجاز میں اپنی ولایت کے دور میں جب امیر حجاج رحمہ اللہ نے ان امِ کلثوم بنت عبداللہ کا رشتہ مانگا تو سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بخوشی اپنی بیٹی کا ہاتھ امیر حجاج رحمہ اللہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ (نسب قریش للزبیری، صفحہ: ۸۲)۔ انھیں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیٹی امِ محمد بنت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کی زوجیت میں تھیں (انساب الاشراف تحت الترجمۃ عبداللہ بن جعفر)۔ یوں امیر حجاج رحمہ اللہ اور یزید بن معاویہ دونوں سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے داماد اور آپس میں ہم زلف تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ الاصابہ میں لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھا جو ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ یہ حبشہ میں پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی ہیں، اس کے علاوہ آپ نے اپنے والدین، اپنے چچا سیدنا علی، سیدنا ابو بکر، سیدنا عثمان اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن جریج کی روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ''اے اللہ! جعفر کی اولاد کا وارث بن جا۔'' فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ کھیل رہے ہوتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرتے تو مجھے اٹھا کر اپنے آگے سوار کر لیتے۔'' امام احمد سیدنا ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امان دیے جانے اور ان سے حسنِ سلوک کرنے کا ذکر ہو، تاکہ حسین رضی اللہ عنہ واپس آجائیں اور کوفہ نہ جائیں۔

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی غزوہ موتہ میں شہادت سے متعلق ایک طویل حدیث لائے ہیں جس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عون اور محمد ابنائے جعفر رضی اللہ عنہ اپنے والد جعفر رضی اللہ عنہ پر جبکہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ شکل و شباہت اور اخلاق میں مجھ پر گیا ہے ..... جود و سخا میں یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بہت مشہور تھے۔ طبری اور بیہقی میں روایت آتی ہے کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے اپنے سسر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بہت سارا مال و متاع ہدیہ روانہ کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے وہ سارا مال اسی وقت اہلِ مدینہ میں تقسیم کر دیا اور اپنے گھر اس کا ایک ماشہ بھی نہیں لے گئے، جس کے بارے میں عبداللہ بن قیس کہتے ہیں:

''تم اس معزز ابن جعفر رضی اللہ عنہ کی طرح ہو، جس نے سمجھا کہ مال فنا ہو جائے گا اور اس کا ذکرِ خیر باقی رہے گا۔''

شماخ بن ضرار نے ان الفاظ میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی مدح کی:

''ابن جعفر! تم بہترین نوجوان ہو اور رات کے مسافروں کا بہترین ٹھکانا۔ کتنے مہمان جو رات کا سفر کر کے قبیلے میں پہنچتے ہیں تو انھیں تمھارے طفیل زادِ سفر اور من پسند چیزیں مل جاتی ہیں۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا انتقال باختلافِ روایات ۸۴ھ سے ۸۷ھ کے بیچ میں اسّی سال کی عمر میں ہوا۔ امیر عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کی طرف سے متعین امیر مدینہ جناب ابان بن عثمان بن عفان رحمہ اللہ نے آپ کی صلاۃ المیت ادا کی۔'' (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد ۳، تحت الترجمۃ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب)

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا ذکر یہاں تفصیل سے کرنا اس لیے مناسب سمجھا گیا، تاکہ قارئین کو ان کے اصل مقام و مرتبہ کا اندازہ ہو جائے اور یہ سمجھنے میں آسانی رہے کہ خاندان بنو ہاشم کے ایک ممتاز فرد اور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی بیٹی کسی ایسے شخص سے نہیں بیاہیں گے جو ظالم یا فاسق ہو۔ آج قحطِ رجال کے اس دور میں ہم آپ جیسے گناہ گار مسلمانوں کو اپنی بیٹیوں کے لیے شریف اور کسی حد تک پابندِ سنت لڑکے کا رشتہ درکار ہوتا ہے اور کہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گورنر نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ کر لے آئیں، میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے الفاظ میں ایک امان نامہ لکھ لائے، جس پر گورنر مکہ نے اپنی مہر لگا دی۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے پھر درخواست کی کہ یہ چٹھی بھی آپ خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں، تاکہ حسین پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ ساری جدوجہد گورنر مکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ گورنر نے ان کی یہ بات بھی قبول کر لی اور اپنے بھائی کو بھی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جا ملے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے معذرت کر دی اور کوفہ جانے پر ہی اصرار کیا اور یہاں بھی اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی، بلکہ صاف لفظوں میں کہا کہ میں کوفہ جس مقصد کے لیے جا رہا ہوں وہ صرف مجھے معلوم ہے اور وہ میں بیان نہیں کروں گا۔ [1]

خود شیعہ مورخ ابن طقطقی بھی لکھتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو انھیں مسلم کے حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب کوفے کے قریب پہنچے تو انھیں مسلم کے قتل کا علم ہوا۔ وہاں انھیں لوگ ملے اور انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکا اور انھیں ڈرایا، لیکن حسین رضی اللہ عنہ واپس ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا۔ ایک ایسے مقصد کے لیے جسے وہ خود ہی جانتے تھے:

"فَلَمْ يَرْجِعْ وَصَمَّمَ عَلَى الْوُصُوْلِ إِلَى الْكُوْفَةِ لِأَمْرٍ هُوَ أَعْلَمُ بِهِ مِنَ النَّاسِ" [2]

← ایک صحابیِ رسول ﷺ۔ کیا یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی بنات کا رشتہ صرف کفو ہونے کی بنا پر کسی بھی فاسق، ظالم یا قاتل شخص کو دے دیں گے۔ ہمارے علما اور تذکرہ نویس اگر صرف انساب کی کتب ہی فکر و تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو بنو امیہ دشمنی پر مبنی کئی تاریخی ہفوات کا غلط ہونا ان پر مبرہن ہو جائے گا۔ (فہد حارث)

[1] تاريخ الطبري (٤/٢٥١)، مطبوعه دار الاستقامة

[2] الفخري في الآداب السلطانية، (ص: ٧٥) طبع مصر ١٩٢٧

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شاید ایسے ہی مبہم طرزِ عمل کی وجہ سے یزید کے غالی حمایتیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب اس حدیث کا مصداق قرار دینے کی کوشش کی:

« فَمَنْ أَرَادُ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِناً مَّنْ كَانَ »[1]

''تو جو شخص اس امت کے معاملے میں تفریق اور انتشار پیدا کرنا چاہے، جب کہ امت متفق اور مجتمع ہو، تو اس شخص کو تلوار سے قتل کر دو وہ جو بھی ہو۔''

تو حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی سخت تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''وَأَهْلُ السُّنَّةِ يَرُدُّوْنَ غُلُوَّ هٰؤُلَاءِ، وَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّ الْحُسَيْنَ قُتِلَ مَظْلُوْماً شَهِيْداً وَّالَّذِيْنَ قَتَلُوْهُ كَانُوْا ظَالِمِيْنَ''[2]

''اہلِ سنت والجماعت اس غلو کو مسترد کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کیا گیا اور ان کے قاتل ظالم تھے۔''

پھر لکھا:

''اس لیے وہ حدیث مذکور کا مصداق نہیں ہو سکتے کہ آپ رضی اللہ عنہ (آخراً) جماعت مسلمین سے الگ نہیں رہے۔ وہ مسلمانوں کی اجتماعیت میں شامل تھے اور وہ یوں کہ انھوں نے (کوفی فوج سے) صاف فرمایا تھا کہ (تم لوگ) مجھے واپس اپنے شہر لوٹ جانے دو یا سرحد کی کسی چوکی پر چلے جانے دو یا (پھر) یہ کہ میں یزید کے پاس براہِ راست چلا جاتا ہوں۔''[3]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر الزام مذکور کی تردید میں ''منہاج السنہ'' کے ایک

---

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، حديث: ١٨٥٢ء

[2] منهاج السنة (٢٥٦/٢)

[3] منهاج السنة (٢٥٦/٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مقام میں ہے:

"اَلْحُسَيْنُ رضی اللہ عنہ لَمْ يُقْتَلْ إِلَّا مَظْلُوْماً شَهِيْداً تَارِكاً لِطَلَبِ الْإِمَارَةِ طَالِباً لِلرُّجُوْعِ إِمَّا إِلٰى بَلَدِهِ أَوْ إِلَى الثَّغْرِ أَوْ إِلٰى الْمُتَوَلِّي عَلَى النَّاسِ يَزِيْدَ" [1]

"حسین رضی اللہ عنہ مظلومانہ طور پر شہید کیے گئے، کیوں کہ طلبِ امارت کے موقف کو ترک کر کے رجوع پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ ان کو کسی شہر یا سرحد پر جانے دیا جائے یا پھر یزید کے پاس لے چلیں۔"

یزید کے پاس جانے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی غرض کیا تھی؟ تاریخی روایتوں نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ چنانچہ تاریخ کی ایک متداول کتاب تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا رَهِقَهُ السِّلَاحُ عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْاِسْتِسْلَامَ وَالرُّجُوْعَ وَالْمَضِيَّ إِلٰى يَزِيْدَ فَيَضَعُ يَدَهُ فِيْ يَدِهِ" [2]

"جب کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تو حضرت حسین نے انھیں صلح کی، واپسی کی اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے یزید کے پاس جانے کی پیش کش کی۔"

اسی قسم کے الفاظ اصابہ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) تہذیب ابن عساکر، تاریخ طبری اور البدایۃ والنہایہ وغیرہ تاریخ وتراجم کی کتابوں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

اس بحث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حق اور صحیح موقف کس کا تھا؟

---

[1] منهاج السنة (٢/٢٤٣)

[2] تاريخ الخلفاء (ص: ١٣٨) طبع مصر.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یزید کے طلبِ بیعت کے صحیح ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ گویا نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا ناروا اقدام بھی صحیح تھا۔ اس کا اہلِ سنت میں سے کوئی قائل نہیں نہ ہم ہی اس کو درست سمجھتے ہیں، اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہاں موقف کی بحث میں مراد ہے وہ موقف جو یزید کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مطالبۂ بیعت سے متعلق ہے۔ رہی یہ بات کہ یزید مطالبۂ بیعت میں حق بجانب تھا یا نہیں؟ تو یہ خود مدیر موصوف غور فرمالیں، جب کہ یزید کو ساری اسلامی قلمرو میں بشمول صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم واجب الاطاعت حاکم تسلیم کرلیا گیا تھا۔

سوال واقعہ کربلا سے قبل باختلافِ روایات، یزید جو کچھ بھی تھا، مگر واقعۂ کربلا وحرہ کے بعد بھی کیا وہ ظالم و قاتل اور فاسق و فاجر قرار نہیں پاتا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اتنے عظیم ظالمانہ واقعات کا یزید پر کوئی بوجھ نہیں؟ یہ واقعات کارنامہ ہیں یا سیاہ نامہ؟

جواب سانحۂ کربلا ۶۱ھ ہجری میں رونما ہوا۔ اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ایک معقول تعداد موجود تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی اولاد ہی ڈھائی درجن سے زیادہ تھی۔ اسی طرح دیگر قرابت مند بھی تھے، لیکن جہاں تک سانحۂ کربلا کا تعلق ہے اس پر ساری قلمرو میں کوئی عمومی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔ نہ اس حادثۂ الیمہ کے باعث یزید کو ''ظالم و قاتل اور فاسق و فاجر'' قرار دے کر اس کے خلاف کسی نے بھی خروج کو جائز سمجھا، گو ذاتی قلق اس کا کیسا بھی شدید رہا ہو، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے سوا باقی سب لوگوں نے یزید کی حکومت یا (خلافت) کو درست تسلیم کرلیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں قیامِ پذیر تھے اور شاید سمجھ رہے تھے کہ ان کے لیے میدان اب صاف ہے، چنانچہ وہ حکومت حاصل کرنے کے لیے کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ۶۳ھ میں حسبِ تحریر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اہلِ مدینہ میں سے متعدد حضرات کی، جن میں بعض صحابہ بھی تھے، ہمدردیاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھیں۔ انہی دنوں ایک وفد مرتب ہوا جو ''یزید'' کے ہاں گیا۔ یزید نے ان کی خوب آؤ بھگت کی، لیکن اس وفد نے مدینہ منورہ واپس آ کر یزید کے عیوب گنوانے شروع کر دیے اور اس کی طرف شراب نوشی وغیرہ جیسی باتیں منسوب کر کے ان کو عوام میں خوب پھیلایا گیا۔

''فَرَجَعُوْا فَأَظْهَرُوا عَيْبَهُ وَنَسَبُوْهُ إِلٰى شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ''

جس کے نتیجے میں اہلِ مدینہ نے نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ گورنر مدینہ عثمان بن محمد پر دھاوا بول دیا اور خاندانِ بنو امیہ کو محاصرے میں لے لیا۔[1]

لیکن اہلِ مدینہ کے اس طرزِ عمل کو اہلِ خیر و صلاح نے بالکل پسند نہیں کیا اور اس سے برملا اظہارِ بیزاری فرمایا، جیسا کہ جلیل القدر صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق صحیح بخاری میں آتا ہے کہ جب ان کو اہلِ مدینہ کے طرزِ عمل کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے اپنے اہلِ خانہ، یعنی بال بچوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

''إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ يَقُوْلُ: «يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلٰى بَيْعِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ،

[1] تاريخ الطبري (٣٨٠/٤)، فتح الباري (٨٨/١٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يَنْصِبُ لَهُ الْقِتَالَ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا تَابَعَ فِي هٰذَا إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ،، [1]

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر بدعہدی (غدر) کرنے والے کے لیے ایک جھنڈا (علامتی نشان) نصب کر دیا جائے گا۔ ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کی ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے، پھر آدمی اسی کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ یاد رکھو تم میں سے کسی کے متعلق بھی اگر مجھے یہ علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا وہ بدعہدی کرنے والوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور ان کے درمیان کوئی تعلق نہ رہے گا۔''

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے بھی یزید کی بیعت توڑنے سے گریز کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۱۸/۸) بلکہ خاندانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت نبوی کے کسی فرد نے بھی اس موقعے پر نہ بیعت توڑی نہ اس شورش میں کسی قسم کا حصہ لیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَجَمَاعَاتُ أَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ مِمَّنْ لَّمْ يَنْقُضِ الْعَهْدَ، وَلَا بَايَعَ أَحَدًا بَعْدَ بَيْعَتِهِ لِيَزِيدَ .... لَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِّنْ آلِ أَبِي طَالِبٍ وَّلَا مِنْ بَنِي

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئا ... حديث: ٧١١١

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ"[1]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اہلِ بیت نبوی کے کسی گروہ نے نقضِ عہد نہیں کیا، نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی اور کی بیعت کی۔ آل ابو طالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان) اور اولاد عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی ایامِ حرہ میں (یزید کے خلاف) خروج نہیں کیا۔''

برادرِ حسین محمد ابن الحنفیہ کی طرف سے یزید کی صفائی:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد ابن الحنفیہ رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے سامنے، جن کے ہاتھ میں ''شورش'' کی قیادت تھی، یزید کی بیعت توڑ دینے اور اس کے خلاف کسی اقدام میں شرکت کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا، بلکہ یزید پر لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور یزید کی صفائی پیش کی۔ اس موقعے پر انھوں نے جو تاریخی بیان دیا وہ حسبِ ذیل ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن مطیع اور ان کے رفقائے کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد ابن الحنفیہ کے پاس گئے اور انھیں یزید کی بیعت توڑ دینے پر رضا مند کرنے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر ابن مطیع نے کہا: ''یزید شراب نوشی، ترکِ نماز اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔''

محمد ابن الحنفیہ نے کہا:

''تم جن باتوں کا ذکر کرتے ہو، میں نے ان میں سے کوئی چیز اس میں نہیں

[1] البداية والنهاية (٨/٢٣٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دیکھی۔ میں اس کے پاس گیا ہوں اور میرا وہاں قیام بھی رہا۔ میں نے اس کو ہمیشہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علمِ دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔''

وہ کہنے لگے: ''وہ یہ سب کچھ محض تصنع اور آپ کے دکھلاوے کے لیے کرتا ہوگا۔''

ابن الحنفیہ نے جواب میں کہا:

''مجھ سے اسے کون سا خوف یا لالچ تھا جس کی بنا پر اس نے میرے سامنے ایسا کیا؟ تم جو اس کی شراب نوشی کا ذکر کرتے ہو، کیا تم میں سے کسی نے خود اسے ایسا کرتے دیکھا ہے؟ اگر تمھارے سامنے اس نے ایسا کیا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہے ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم اس چیز کے متعلق کیا گواہی دے سکتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں؟!''

وہ کہنے لگے: ''یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے، اگرچہ ہم میں سے کسی نے اسے ایسا کرتے نہیں دیکھا۔''

ابن الحنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اللہ تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا، وہ تو فرماتا ہے: ﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ [الزخرف: ٨٦] ''گواہی انہی لوگوں کی معتبر ہے جن کو اس بات کا ذاتی علم ہو۔'' جاؤ! میں کسی بات میں تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا۔''

وہ کہنے لگے: ''شاید آپ کو یہ بات ناگوار گزرتی ہو کہ یہ معاملہ آپ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں رہے۔ اگر ایسا ہے تو قیادت ہم آپ کے سپرد کیے دیتے ہیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

برادرِ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم جس چیز پر قتال و جدال کر رہے ہو، میں سرے سے اس کو جائز ہی نہیں سمجھتا تو مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

وہ کہنے لگے: ''آپ اس سے پہلے اپنے والد کے ساتھ مل کر تو جنگ کر چکے ہیں؟''

انھوں نے فرمایا: ''تم پہلے میرے باپ جیسا آدمی اور انھوں نے جن سے جنگ کی ان جیسے افراد تو لا کر دکھاؤ۔ اس کے بعد میں بھی تمھارے ساتھ مل کر جنگ کرلوں گا۔''

وہ کہنے لگے: ''آپ اپنے صاحبزادگان ابو القاسم اور قاسم ہی کو ہمارے حوالے کر دیں، انھوں نے فرمایا: میں ان کو اگر اس طرح کا حکم دوں تو میں خود نہ تمھارے ساتھ اس کام میں شریک ہو جاؤں؟ وہ کہنے لگے: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو آمادۂ قتال کر دیں۔

انھوں نے فرمایا: ''سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملے میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں، بدخواہ ہوں گا۔''

وہ کہنے لگے: ''ہم پھر آپ کو مجبور کریں گے۔''

انھوں نے کہا: ''میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کی خاطر خالق کو ناراض نہ کرو۔''[1]

---

[1] البداية والنهاية (٢٣٦/٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مگر ان مساعیِ خیر و صلاح کے علی الرغم مدینے میں شورش نے انتہائی نازک صورت اختیار کر لی۔ یزید کو خبر پہنچی تو شورش کو فرو کرنے کے لیے اس نے فوج بھیج دی اور اس کو ہدایت کی کہ شورش کرنے والوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ اگر اس دوران میں وہ اپنا طرزِ عمل درست کر لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر تمھیں کارروائی کی اجازت ہے۔ فوج نے اپنے خلیفہ کے حکم کے مطابق عمل کیا، لیکن اہلِ مدینہ نے اس مہلت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ جنگ کرنے کے لیے مقابلے پر آ گئے۔

اس مناسب تفصیل سے واقعہ حرہ کی بنیادی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے، نیز یہ کہ اس ''شورش'' کو اہلِ خیر و صلاح نے کس نظر سے دیکھا تھا؟ تاہم ان ایامِ حرہ میں، مبالغہ آمیز تفصیلات سے قطع نظر، جو غیر مستند ہی ہیں، کیوں کہ ان کا راوی ابو مخنف ہے جو کذاب اور شیعہ ہے، یزید کی فوج نے معینہ حد سے تجاوز کر کے جو کارروائیاں کی ہیں، اگر وہ سچ ہیں تو بر بنائے ثبوت ان پر علما نکیر ہی کرتے آئے ہیں، انھیں مستحسن کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔[1]

---

[1] آج سے چند دہائیاں قبل مولانا مناظر احسن گیلانی کے واقعہ حرہ اور بنو امیہ کے حوالے سے ایک تنقیدی مضمون کے جواب میں مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی نے ''تصویر کا دوسرا رخ'' کے زیر عنوان بنو امیہ کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے واقعہ حرہ کے سلسلے میں یوں وضاحت کی تھی:

''واقعہ حرہ میں بے شک تین دن تک باشندگانِ مدینہ کو مصائب کا سامنا رہا اور یزید کی فوجیں اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے سرگرم پیکار رہیں۔ لیکن کیا مولانا نے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا کی ہے کہ واقعہ حرہ پیش کیوں آیا؟

اربابِ تاریخ لکھتے ہیں کہ ۶۳ ہجری میں اہلِ مدینہ نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان والیِ مدینہ کو جو بنو امیہ کی طرف سے مدینہ پر مقرر تھے، عضوِ معطل بنا دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بنو امیہ کے افراد کو جو مدینہ میں موجود تھے، ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہ مروان ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقعۂ کربلا کی بھی جو حقیقت ہے، اس پر ہم مختصراً روشنی ڈال آئے ہیں اور امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ کی تصریحات سے ہم اپنے سابقہ مضمون میں یہ وضاحت کر چکے ہیں

کے گھر میں محصور ہو گئے۔ ان کی تعداد حالانکہ ایک ہزار تھی، لیکن اہلِ مدینہ کے جمِ غفیر کے سامنے یہ ایک ہزار کی جمعیت بے حقیقت تھی۔ یزید کو خبر پہنچائی گئی تو اس نے اہلِ مدینہ کے اس طرزِ عمل پر افسوس کیا اور حسرت سے کہا:

''میں نے اپنی طبیعت میں جس طرح حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تھا، (مدینے کے) لوگوں نے (اپنے طرزِ عمل سے) اس کو بدل دیا۔ پس میں نے بھی اپنی قوم کی نرمی کو سختی سے بدل دیا۔'' (تاریخ کامل:۴/۴۴)

پھر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ فوج لے کر مدینہ پہنچیں اور بنو امیہ کو اہلِ مدینہ کے شدائد سے نجات دلائیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو تاکید کر دی:

"ادع القوم ثلاثاً، فإن أجابوك وإلا فقاتلهم" (تاريخ كامل:٤/٤٨)

''انھیں تین مرتبہ صلح اور اطاعت کی دعوت دینا، اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے ورنہ پھر جنگ کرنا۔''

www.kitabosunnat.com

پھر کہا:

"فإن مضت الثلاث فاكفف عن الناس، وانظر علي بن الحسين فاكفف عنه، و استوص به خيراً فإنه لم يدخل مع الناس وإنه قد أتاني كتابه" (تاريخ كامل: ٤/٤٥)

''جب تین دن گزر جائیں تو جنگ روک دینا۔ علی بن حسین رحمہ اللہ کا خیال رکھنا اور ان کی ایذا رسانی سے باز رہنا۔ ان سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ اس معاملے میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں۔ ان کا خط میرے پاس آ گیا ہے۔''

مسلم بن عقبہ فوج لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ اس وقت اہلِ مدینہ کا جو رویہ بنو امیہ کے محصورین کے ساتھ تھا، اس کو مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں:

''جب اہلِ مدینہ کو مسلم بن عقبہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بنو امیہ پر اپنا محاصرہ اور سخت کر دیا اور محصورین سے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم تم سے باز نہ رہیں گے، یہاں تک کہ تم کو ذلیل کر دیں، تمھاری شان و شوکت خاک میں ملا دیں اور تمھاری گردنیں اڑا دیں۔ ہاں اگر تم ہم سے قسم اٹھا کر وعدہ کرو کہ ہماری دشمنی ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سلسلے میں یزید کو مطعون کرنا درست نہیں، کیوں کہ اس نے ایسا کیا نہ ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کو پسند کیا۔

← نہ کرو گے، ہمارے ممالک محروسہ پر حملہ آور نہ ہو گے اور ہم سے مقاتلہ نہ کرو گے تو ہم تمھیں یہاں سے نکال دیں گے۔'' (تاریخ کامل: ۴/۴۵)

مسلم بن عقبہ مدینہ پہنچے تو اہلِ مدینہ کو مخاطب کر کے کہا:

''إن أمير المومنين يزعم أنكم الأصل، وإنى أكره إراقة دمائكم، و إنى أوجلكم ثلاثاً، فمن ارعوى و راجع الحق قبلنا منه و انصرفت عنكم'' (تاريخ كامل: ٤٦/٤)

''امیر المومنین آپ لوگوں کو شریف سمجھتے ہیں اور میں بھی آپ لوگوں کا خون بہانا برا سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ پس جو اپنے طرزِ عمل سے باز آ جائے گا اور راہِ حق اختیار کرے گا، میں اس سے اس کو قبول کروں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔''

جب تین دن گزر گئے تو مسلم بن عقبہ نے ایک موقع پھر صلح جوئی کا نکالا اور قبل اس کے کہ مدینہ پر حملہ کرے، اہلِ مدینہ سے پوچھا:

''يا أهل المدينة ما تصنعون: تسالمون أم تحاربون؟ فقالوا: بل نحارب'' (تاريخ كامل: ٤٦/٤)

''اے اہلِ مدینہ! کیا فیصلہ کیا ہے اور کیا کرو گے: جنگ یا صلح؟ اہلِ مدینہ نے جواب دیا: ہم جنگ کریں گے۔''

مسلم بن عقبہ نے پھر کہا:

''لا تفعلوا، بل ادخلو في الطاعة'' (تاريخ كامل: ٤٦/٤)

''ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کر لو۔''

لیکن اہلِ مدینہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ بالآخر جنگ شروع ہوئی اور تین دن تک معرکہ ہوتا رہا۔ بے شک مسلم بن عقبہ نے اپنا تسلط قائم کرنے کی ہر تدبیر کی، البتہ ''معصومانِ حرم کی ناموس'' کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کے وہی ذمے دار ہیں۔

اب حالات آپ کے سامنے ہیں۔ اسی کو ''واقعہ حرہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان واقعات کے پیشِ نظر بالکلیہ بنی امیہ ہی کو قصور وار ٹھہرا کر ان کے لیے (جن میں بہت ←

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی درجے میں سانحۂ کربلا اور واقعۂ حرہ کا ذمے دار یزید ہی کو ٹھہرا لیا جائے اور اس بنا پر اس کو ''فاسق و فاجر اور قاتل و ظالم'' بھی سمجھ لیا جائے، تب بھی یہ تمام جرائم کبائر ہی شمار ہوں گے اور کبائر کے ارتکاب سے کوئی مسلمان اہلِ سنت کے نزدیک نہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے نہ رحمت و مغفرتِ خداوندی کے امکان سے محروم اور نہ اس کے خلاف خروج و بغاوت جائز قرار پاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے تمام گناہ معاف کرسکتا ہے، جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ شرک کے علاوہ چاہوں گا تو دوسرے گناہ معاف کر دوں گا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء: ٤٨]

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔''

پھر یزید کی مغفرت کے لیے تو بالخصوص بشارتِ نبوی ۔علی صاحبها الصلاة والتسليم۔ بھی موجود ہے۔ آیتِ قرآنی اور حدیثِ نبوی کے علاوہ اہلِ سنت کا بھی متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کرسکتا ہے۔

''وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُوْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰى مَاتَ مُؤْمِنًا فَإِنَّهُ فِيْ مَشِيْئَةِ اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْهُ بِالنَّارِ أَصْلًا''

''شرک و کفر کے علاوہ چاہے جو بھی گناہ آدمی سے سرزد ہوئے ہوں اور

← سے تابعی رحمہ اللہ اور صحابی رضی اللہ عنہ بھی تھے) غیر شائستہ الفاظ کا استعمال کہاں تک مناسب ہے؟'' (مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی، ''تصویر کا دوسرا رخ'' مطبوعہ الفرقان، لکھنؤ، ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۲ء، صفحہ ۴۴ تا ۴۶) (محمد فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان سے اس نے توبہ بھی نہ کی ہو، ہاں مرتے دم تک مؤمن رہا (کافر نہ ہوا) تو اس کا معاملہ اللہ کی مرضی پر ہے، چاہے وہ اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے بالکل معاف کر دے اور نارِ جہنم کی اس کو ہوا تک نہ لگنے دے۔''

اول: تو اس بات کا ہی کوئی شخص ثبوت پیش نہیں کر سکتا کہ یزید اگر واقعی کسی درجے میں اس سانحۂ کربلا میں ملوث ہے تو اس نے اس کی بابت اپنی زندگی میں توبہ نہیں کی اور بغیر توبہ کیے ہی مر گیا۔ بلکہ ۹۹ فیصد اسی بات کا امکان ہے کہ اس نے یقیناً توبہ کی ہوگی۔ آخر وہ مسلمان اور نماز روزے کا پابند تھا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ بغیر توبہ ہی مرا تب بھی جب تک اس کے کفر و ارتداد کا ثبوت مہیا نہیں کر دیا جاتا، اس کو امکانِ مغفرت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھ لیجیے! اہلِ سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ جو بھی گناہ ہو، اس کا مرتکب چاہے بغیر توبہ کیے ہی مر گیا ہو، تب بھی اس کا معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے، چاہے عذاب دے چاہے، بخش دے۔

مدیر موصوف اس کو ''ظالم اور فاسق و فاجر'' تسلیم کرا کے معلوم نہیں کیا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن میں کیا ہے؟ اس کو انھوں نے کھولا نہیں۔ اگر اس سے مقصد ان کا یہ ہے کہ ایسے شخص کی مغفرت ممکن نہیں تو ہم موصوف سے شرعی دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر صرف اس کا ظلم تسلیم کرانا مطلوب ہے تو اسے تسلیم کر لینے سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔ وہ کتنا بھی گناہ گار اور ''ظالم و فاسق'' ہو وہ بہرحال مسلمان تھا اور عین ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے وہ تائب بھی ہو گیا ہو۔ بالفرض نہ بھی تائب ہوا ہو تو امکانِ مغفرت بہرحال اس کے حق میں موجود ہے۔

اور اگر مدیر موصوف کا مطلب اس سے یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے دعائے رحمت و مغفرت نہیں کرنی چاہیے تو یہ بات بھی صحیح نہیں۔ دعا تو ہوتی ہی گناہ گاروں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ہے۔ اگر ہم کسی گناہ گار مسلمان کے لیے دعا نہ بھی کریں گے، تب بھی ہماری دعاؤں میں وہ ضرور شامل ہو جائے گا، جب ہم کہیں گے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ"

"اے اللہ! تمام مومن و مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔"

اس دعا میں ہر مومن از خود شامل ہو جاتا ہے، چاہے کیسا ہی گناہ گار ہو۔

بہرحال واقعاتِ کربلا و حرہ کو یزید کا کارنامہ کوئی نہیں کہتا، البتہ ان کی مبالغہ آمیز تفصیلات سے ضرور انکار ہے جس کا زیادہ تر راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے جو کذاب اور غالی شیعہ تھا۔ (میزان) یہ بھیانک روایتیں اسی کی ہیں اور جس حد تک یہ واقعات صحیح ہیں، ان میں اگر فی الواقع یزید ملوث ہے تو اس کے "سیاہ کارنامے" شمار ہوں گے، لیکن ان غلطیوں سے چاہے وہ کتنی بھی عظیم ہوں، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے نہ مغفرتِ خداوندی کے امکان سے محروم۔

سوال اگر یزید کا قتلِ اہلِ بیت میں کوئی ہاتھ نہیں اور یہ سب کچھ ابن زیاد و ابن سعد کی کارستانی ہے تو کیا یزید کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ بحکم «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1] اپنے گورنر سپہ سالار وغیرہ کا مواخذہ کرتا اور انھیں قتل اہلِ بیت کی سزا دیتا؟ اور نہیں تو کیا اہلِ بیت کے جرم میں وہ ابن زیاد بدنہاد کو معزول بھی نہیں کر سکتا تھا؟

جواب یہ سوال بجا ہے۔ یزید کو فی الواقع حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے مواخذہ کرنا اور انھیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن جس طرح ہر حکمران کی کچھ سیاسی مجبوریاں ہوتی ہیں، جن کی بنا پر بعض دفعہ انھیں اپنے

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها، حديث: ٥٢٠٠

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ماتحت حکام کی بعض ایسی کارروائیوں سے بھی چشم پوشی کرنی پڑ جاتی ہے جنھیں وہ صریحاً غلط سمجھتے ہیں، اسی طرح ہوسکتا ہے کچھ ایسی سیاسی مجبوری ہو جس کو یزید نے زیادہ اہمیت دے دی ہو، گو اسے قتلِ حسین کو زیادہ اہمیت دینی چاہیے تھی۔ اسے بھی آپ اس کی ایک اور بہت بڑی غلطی شمار کر سکتے ہیں اور بس۔

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے کہ ان کی خلافت کے مصالح نے انھیں نہ صرف قاتلینِ حضرت عثمان سے چشم پوشی پر مجبور کر دیا، بلکہ انھیں بڑے بڑے اہم عہدے بھی تفویض کرنے پڑے۔ حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ بھی کچھ کم المناک اور یہ جرم بھی کچھ کم عظیم جرم نہ تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔ یزید نے تو قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدوں سے صرف برطرف ہی نہیں کیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو قتلِ عثمان کے بعد ان کے قاتلوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔

یہ موازنہ اگرچہ ہمارے لیے سخت اذیت ناک ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ عوامی مزاج ''اہلِ سنت'' جب عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بالکل شیعی نقطۂ نظر سے دیکھنا شروع کر دیں تو پھر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان جسارتوں کو معاف فرمائے۔[1]

---

[1] اسی اعتراض کا جواب مشہور حنفی عالم اور مولانا محمد منظور نعمانی کے فرزند جناب علامہ عتیق الرحمٰن سنبھلی نے بھی اپنی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' جس کا ابتدائیہ نو صفحات میں ان کے والد گرامی مولانا منظور نعمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، میں کچھ یوں دیا ہے:

یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہوتی، مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لیے کہ ناراضامندی اور سزا دہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سوال جب مسلم بن عقیل کی کوفے میں آمد کی خبر یزید کو پہنچ گئی اور اس نے ابن زیاد کو گورنر مقرر کر دیا تو کیا ''امام'' حسین کی آمد اور اس کے گورنر و اہلِ کوفہ کے برتاؤ کی شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ تک یزید کو کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی؟ حالانکہ اس نئی صورتِ حال کے متعلق یزید کی مسلسل دلچسپی و توجہ ایک فطرتی امر ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل اہلِ بیت میں یزید کا فی الواقع ہاتھ ہے، بلکہ یزید کا

کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے اور اس کی کیسی قابلِ لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں بلکہ ان کے نہایت خاص معتمدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکردہ شمار کیے جاتے تھے اور خود علی رضی اللہ عنہ کو اس الزام سے انکار نہ تھا، مگر اس مطالبے کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا انھیں ورثائے عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے، علی رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے، اصولاً علی رضی اللہ عنہ کو مطالبہ سے اتفاق بھی تھا، پھر بھی مصالح وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپ اس پر عمل درآمد نہیں کر سکتے تھے۔ تو اب اگر ہم یزید کے لیے کوئی جداگانہ اصول نہیں بناتے ہیں، تب بڑی آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں:

> ''جس ابن زیاد نے یزید کے ہاتھ سے نکلتے ہوئے عراق کو نہ صرف روک لیا تھا، بلکہ جو طوفان وہاں یزید کے خلاف تیار ہو رہا تھا، اس کا رخ اس نے تمام تر حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف موڑ کے دکھا دیا، یزید کے لیے کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر قلم کرنے کی بات سوچے۔'' (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، صفحہ: ۲۵۰۔۲۵۱)

یہ یاد رہے کہ اس کتاب میں موجود مواد کو مولانا منظور نعمانی کی بھرپور تائید حاصل ہے، بلکہ اس کے ابتدائیے میں انھوں نے ایسے اشارات بھی دیے ہیں کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق نظریاتِ بد سے اس کتاب کے بعد انھوں نے رجوع کر لیا تھا۔ بعینہٖ کچھ اسی طرح کی وضاحت قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اپنی کتاب ''تذکرۂ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں اور امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے بھی فرمائی ہیں۔ (دیکھیے: مقالہ از مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی نقشبندی، بعنوان ''شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ'' صفحہ: ۱۵) (از فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن زیاد کو گورنر مقرر کرنا اور اسے یہ کہنا کہ ''کوفہ جا کر مسلم بن عقیل کو تلاش کر کے قتل تک سے دریغ نہ کرے'' کیا یہ تمام حقائق یزید پلید کی اہلِ بیت اور قتلِ اہلِ بیت میں رضا مندی کا ثبوت نہیں؟

جواب قیاس آرائی، ظن وتخمین اور اٹکل پچو سے حقائق کا اثبات ممکن نہیں۔ جہاں تک مسلم بن عقیل کی کوفے میں آمد کی اطلاع اور ابن زیاد کے گورنر مقرر کرنے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ کتبِ تواریخ میں موجود ہے کہ اس بارے میں یزید کے بعض حامیوں نے یزید کو اطلاع بھجوائی تھی کہ کوفے میں اس طرح کے حالات رونما ہو رہے ہیں اور یزید کو اس امر کی بھی انھوں نے اطلاع دی تھی کہ موجودہ گورنر کا طرزِ عمل نرم ہے، نیز وہ سختی کرنے پر آمادہ بھی نہیں، جس سے شورش پر قابو پایا جا سکے۔

یہ اطلاع ملنے پر ہی یزید نے سابق گورنر کا تبادلہ کر کے ابن زیاد کو کوفہ و بصرہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے سختی سے شورش کو دبانے کا اسی طرح حکم دیا جس طرح ہر فرمانروا کسی صوبے میں بدامنی وشورش کی اطلاع پا کر حکم دیا کرتا اور حکام کا عزل ونصب کرتا ہے۔ اگر آپ اسی طرح تاریخی روایات سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچا دیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کسی نے یزید کو اس طرح کی اطلاع بھجوائی تھی اور وہ اطلاع پا کر یزید نے ابن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا، تب تو یزید کی اہلِ بیت دشمنی اور قتل ''اہلِ بیت'' میں ''رضا مندی'' کی بات قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ موجودہ صورت میں تو یہ ہوائی باتیں ہیں، جن سے اہلِ دانش کے نزدیک یزید پر کوئی الزام ثابت نہیں ہوتا، اسی لیے تو امام غزالی جیسے ائمہ نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"مَا صَحَّ قَتْلُهُ الْحُسَيْنَ رضی اللہ عنہ وَلَا أَمْرُهُ وَلَا رِضَاهُ بِذَلِكَ"[1]

"یزید کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کے قتل کا حکم دیا یا ان کے قتل پر رضا مند تھا، ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔"

نیز احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

"لَا يَجُوزُ أَنْ يُّقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَهُ أَوْ أَمَرَ بِهِ، مَا لَمْ يَثْبُتْ"[2]

"بغیر ثبوت کے یہ کہنا جائز نہیں کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا قتل کرنے کا حکم دیا۔"[3]

اگر ایک بشارت نبوی ۔علیٰ صاحبها الصلاة والتسليم۔ کا مصداق ہونے کے باوجود آپ یزید کا قافیہ "پلید" ہی سے ملانے پر مصر ہیں تو آپ کی مرضی۔ ہم کسی زبان و قلم پر پہرے نہیں بٹھا سکتے۔ تاہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ حدیثِ رسول کے مقابلے میں اس طرح ذہنی تحفظ کا مظاہرہ ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض اکابر علماء نے بھی یزید کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے، لیکن انھوں نے عدمِ تحقیق کی بنا پر روا روی میں ایسا کیا ہے اور اس معاملے کی گہرائی میں وہ نہیں گئے۔ اور بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مسائل میں جس طرح عام رائے

---

[1] وفيات الأعيان (٢٨٨/٣)

[2] إحياء العلوم (١٣١/٣)

[3] ایسا ہی ایک قول حافظ ابن الصلاح کا بھی صواعق محرقہ میں نقل ہوا ہے:
"ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ یزید نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ (غلطی سے) محفوظ بات یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا حکم، جو ان کے قتل پر منتج ہوا، ابن زیاد نے دیا تھا جو اس وقت حاکمِ عراق تھا۔" (صواعق محرقہ، صفحہ: ۱۳۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے بڑے بڑے محقق بھی انھیں تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن جب کوئی دیدہ ور اس کی تہ میں اتر کر نقاب کشائی کرتا ہے تو صورتِ معاملہ بالکل مختلف نکلتی ہے، اس لیے اس دور میں جب یزید کا کردار نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا اور اس پر عام بحث ہوئی تو بہت سے مخفی گوشے بے نقاب ہو گئے۔ اب اگر کوئی شخص یزید کو ''پلید'' لکھنے پر اصرار کرتا ہے تو اسے بعض پچھلے علماء کی طرح معذور سمجھنا مشکل ہے۔ ہاں اگر آپ کے نہاں خانۂ دماغ میں (ذاتی و سطحی باتوں کے علاوہ) اسے ''پلید'' یا ''ملعون'' لکھنے کے معقول دلائل ہیں تو ان سے مطلع فرمائیں۔[1]

سوال ''یزید کے آلہ کار ابن زیاد، شمر، وغیرہم کس حد تک مجرم ہیں اور آپ کے نزدیک ان کا کیا حکم ہے؟''

جواب یہ لوگ یزید کے آلہ کار نہیں، اہلِ کار تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام سے جو ناخوشگوار صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی، اس سے اپنی صوابدید کے مطابق انھوں

---

[1] انتہائی افسوس اور معذرت کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ یزید کو ''پلید'' کہنے سے متعلق جس طرزِ عمل کی طرف حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے راہنمائی فرمائی ہے، آج یہ طرزِ عمل چند ایک اہلِ حدیث کہلائے جانے والے حضرات میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اور جب ان حضرات کو اس سلسلے میں مومن کے ساتھ حسنِ ظن کی ترغیب دے کر باز رہنے کی استدعا کی جائے تو یہ حضرات فوراً بعض علما کے اقوال نقل فرمانا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو فلاں عالم نے بھی یزید کو پلید لکھا ہے سو ہم تو صرف ان کی اتباع کر رہے ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا مندرجہ بالا بیانیہ ایسے حضرات کے لیے خاص توجہ کا مستحق ہے۔
علاوہ ازیں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''تم اپنے فوت شدگان کا ذکر بھلائی سے کرو۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے اندر کوئی برائی بھی رہی ہو تو اس کا ذکر یا اس کا تکرار بے فائدہ ہے، کیوں کہ اس کا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہے، وہ بارگاہِ الٰہی میں پہنچ چکا ہے۔ ہم تو صرف اس کے لیے دعائے خیر کے مکلف ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کے۔ (فہد حارث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی۔ یہ کوشش مذموم تھی یا مستحسن؟ اس میں رائے دہی "خَرَطُ الْقَتَاد" والی بات ہے۔ ایک تو تاریخ کی متضاد روایتوں نے واقعات کو بہت الجھا دیا ہے۔ دوسرے اس "سیاسی" نوعیت کے واقعے کو "مذہبی" رنگ دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھل کر گفتگو کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہو گیا ہے۔

ہم تاریخی تضاد کے انبار سے اگر حقیقت کی چہرہ کشائی کریں تو یہ راستہ طویل بھی ہو گا اور پھر بھی شاید آپ کے لیے ناقابلِ قبول ہو۔ کیوں کہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخی روایات کا ایک پہلو ہے، جب کہ روایات کا دوسرا پہلو اس کے برعکس ہے، اس لیے ہم مختصراً صرف واقعے کی روشنی میں اتنا ہی عرض کریں گے کہ آپ جذبات اور خانہ ساز مذہبیت سے الگ ہو کر معاملے کو واقعاتی سطح سے دیکھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کی دعوت پر بیعتِ خلافت لینے کے لیے تشریف لائے تھے، وہ جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے تھے، کیوں کہ ۶۰ / ۷۰ افراد کے ساتھ، جو بیشتر اہلِ خانہ ہی تھے، جنگ نہیں ہوا کرتی۔

اہلِ کوفہ نے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن کیا حاکمِ وقت کے اہلِ کار بھی اپنے اس حاکم سے بغاوت کر ڈالتے جس پر تمام مسلمان متفق ہو چکے تھے؟ ایسا ممکن نہیں تھا۔ تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خیر سگالی کی گفتگو کی گئی، جس کا خاطر خواہ اثر بھی ہونے لگا تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو اپنے موقف سے رجوع کر کے تین شرائط بھی پیش کر دی تھیں، جن میں ایک شرط یزید کے پاس بھیج دینے کی بھی تھی اور اس تجویز کو ابن زیاد نے بھی قبول کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن انہی کوفیوں کی شرارت کہہ لیجیے، جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر بلوایا تھا یا ابن زیاد کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قریبی ساتھی شمر وغیرہ کی سختی کہ معاملہ سلجھتے سلجھتے الجھ گیا اور بات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت تک جا پہنچی۔

اب اس وقت ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے ناپ کر یا تول کر ابن زیاد اور عمر بن سعد کی غلطی کا اندازہ کر کے کوئی حکم لگایا جا سکے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حسنِ سلوک میں انھوں نے کوئی کوتاہی کی ہے تو وہ یقیناً مجرم ہیں۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عمل اور ردِ عمل کے بنیادی نکتے کو نظر انداز کر کے بات بالعموم خاندانی شرف و فضل کے اعتبار سے کی جاتی ہے جو اصولاً غلط اور تحقیقی نقطۂ نظر کے منافی ہے۔

سوال ایک طرف لفظ امام سے انکار اور صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اصرار اور دوسری طرف ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو نہ صرف امام بلکہ ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ'' تحریر کرنا ابن تیمیہ کی ''امام'' حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں فوقیت کون سی دلیل شرعی پر مبنی ہے؟''

جواب افسوس ہے کہ اس سلسلے میں مدیر موصوف نے ہماری گزارشات کو غور سے نہیں پڑھا۔ اگر وہ ایسا کر لیتے تو ان کے قلم سے اس سطحیت کا اظہار نہ ہوتا جو ان کے سوال سے عیاں ہے، اس لیے بہتر ہے کہ پہلے ہم اپنی وہ وضاحت نقل کر دیں جس پر یہ سوال دائر کیا گیا ہے۔ ہم نے لکھا تھا:

''اسی طرح اہلِ سنت کی اکثریت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا سوچے سمجھے ''امام حسین علیہ السلام'' بولتی ہے، حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''امام'' کا لفظ بولنا اور اسی طرح ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' کہنا بھی شیعیت ہے۔ ہم تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عزت و احترام کے لیے ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ہم کبھی ''امام ابو بکر صدیق''، ''امام عمر'' نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بولتے۔ اسی طرح ہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' لکھتے ہیں اور بولتے ہیں اور کبھی ''ابو بکر صدیق علیہ السلام یا حضرت عمر علیہ السلام'' نہیں بولتے۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' بولتے ہیں۔ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ دراصل یہ شیعیت کا وہ اثر ہے جو غیر شعوری طور پر ہمارے اندر داخل ہو گیا ہے۔ اس لیے یاد رکھیے کہ چونکہ شیعوں کا ایک بنیادی مسئلہ ''امامت'' کا بھی ہے اور امام ان کے نزدیک انبیاء کی طرح من جانب اللہ نامزد اور معصوم ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں، اس لیے ان کے لیے ''امام'' کا لفظ بولتے ہیں اور اسی طرح ان کے لیے ''علیہ السلام'' لکھتے اور بولتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ایک صحابی رسول ہیں ''امام معصوم'' نہیں، نہ ہم شیعوں کی امامت معصومہ کے قائل ہی ہیں، اس لیے ہمیں انھیں دیگر صحابۂ کرام کی طرح ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' لکھنا اور بولنا چاہیے۔ ''امام حسین علیہ السلام'' نہیں، کیوں کہ یہ شیعوں کے مسموم عقائد اور مخصوص تکنیک کے غماز ہیں۔''[1]

اتنی صراحت و وضاحت کے بعد بھی مدیر موصوف کا عدمِ اطمینان ناقابلِ فہم ہے۔ اگر وہ اس فرق کی کچھ توضیح کر دیتے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''امام'' نہ لکھنے سے تو ان کی توہین نہیں ہوتی، لیکن حضرت حسین کے ساتھ ''امام'' نہ لکھنے سے ان کی توہین ہو جاتی ہے، تو ہم اپنے موقف پر نظر ثانی کر لیتے۔ یہ عجیب انداز ہے کہ ہمارے دلائل کا کوئی جواب بھی نہیں اور اسی طرح اپنے دلائل کا اظہار بھی

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں، لیکن پھر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کا بچگانہ اعتراض ع

تمھی کہو یہ انداز ''تحقیق'' کیا ہے؟

باقی رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ میں آپ کا عجیب قسم کا موازنہ! تو جواباً عرض ہے کہ حدیث و فقہ کے مسلمہ عالم و فقیہ کو امام لکھنا اگر آپ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فوقیت دینا ہے، جس کے لیے آپ دلیل شرعی کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ہمارا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تو ''امام'' نہیں لکھتے لیکن ائمہ اربعہ اور سیکڑوں علما و فقہا کو امام لکھتے ہیں تو کیا امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ لکھ کر انھیں ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے فوقیت دیتے ہیں؟ ما ھو جوابکم فھو جوابنا....!

پھر آپ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ''امام اعظم'' لکھتے ہیں۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے صرف ''امام'' اور امام ابو حنیفہ کے لیے ''امامِ اعظم'' کیا یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں؟

اور آگے بڑھیے! آپ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، بلکہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی بالعموم یہی لفظ ''حضرت'' یا ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن آپ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو ''اعلیٰ حضرت'' لکھتے اور بولتے ہیں۔ کیا اس طرح صحابۂ کرام کی اور خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں؟

آخر یہ سوال لکھنے سے قبل اس کی سطحیت پر کچھ غور کر لیا ہوتا۔ اس لیے محترم! اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ علما و فقہا کے لیے ''امام'' کے لفظ کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ وہ حدیث و فقہ کے ماہر تھے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اسے اس معنی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

استعمال کیا جائے تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بلکہ اس معنی میں وہ بعد کے ائمہ سے زیادہ اس لفظ کے مستحق ہیں۔ لیکن بات تو یہ ہو رہی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس معنی میں ''امام'' نہیں کہا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو بکر و عمر و دیگر صحابۂ کرام کو بھی امام لکھا اور بولا جاتا کہ وہ علومِ قرآن و حدیث کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ رمز شناس تھے۔ جب کسی بڑے سے بڑے صحابی کے لیے امام کا لفظ نہیں بولا جاتا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں قطعاً نہیں جن میں اس کا استعمال عام ہے، بلکہ یہ شیعیت کے مخصوص عقائد کا غماز ہے، اس لیے اہلِ سنت کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

امید ہے کہ اب تو مدیر موصوف کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہو گی۔ اگر اب بھی اطمینان نہیں تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

یارب! وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

سوال آپ کی تحریر کے مطابق اگر یزید مومن ہونے کے باعث ''رحمہ اللہ'' کا مصداق ہے تو کیا اس منطق کے مطابق کسی مومن کہلانے والے زانی، شرابی، چور اور قاتل کو شخصی طور پر ''رحمہ اللہ'' کہنا درست ہو گا؟

جواب یہ سوال بھی سطحیت پر مبنی ہے۔ موصوف نے ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا ہوتا تو اس سطحیت کا مظاہرہ شاید نہ فرماتے۔ ہم موصوف سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آج تک شخصی طور پر کسی زانی یا شرابی یا چور یا قاتل مسلمان کے لیے دعائے مغفرت و رحمت سے کسی عالم نے روکا ہے؟ اگر روکا ہے تو حوالہ دیں اور اگر شرابی اور زانی کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرنی جائز ہے تو رحمۃ اللہ علیہ یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ کا مطلب بھی تو مغفرت و رحمت کی دعا ہے، اس کا مفہوم کچھ اور تو نہیں؟

اسی طرح ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ آج تک کسی عالم نے کسی زانی یا شرابی یا چور یا قاتل مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو حوالہ دیں۔ بصورتِ دیگر از خود ایسے مجرموں کے لیے ''رحمہ اللہ'' کہنا ثابت ہو گیا، کیوں کہ نمازِ جنازہ بھی تو مغفرت و رحمت کی دعا ہے۔ اگر ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے، بلکہ ضرور پڑھی جاتی ہے تو پھر اسے ''رحمۃ اللہ علیہ'' یا ''رحمہ اللہ'' کہنے میں کیا حرج ہے؟ اگر یہ نکتہ اب بھی موصوف کے ذہن میں نہیں آیا تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کسی کے لیے مغفرت و رحمت کے لیے دعا کرنے میں یا اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں یا اس کے لیے رحمہ اللہ کہنے میں کیا فرق ہے؟ ہمارے نزدیک تو تینوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اگر موصوف کے نزدیک کچھ فرق ہے تو وضاحت فرمائیں کہ ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو سکے کہ ایک مرتکبِ کبیرہ مسلمان کی نماز جنازہ تو پڑھنی جائز بلکہ ضروری ہے، لیکن اس کے لیے رحمہ اللہ کہنا جائز نہیں، اس لیے کہ ان کے درمیان یہ فرق ہے۔ امید ہے موصوف ان سوالات کی وضاحت فرما کر ہمارا شک یا غلط فہمی دور کر دیں گے۔

سوال آپ نے غزوۂ قسطنطنیہ کے حوالے سے یزید کی مغفرت کی جو تصریح کی ہے، اس مغفرت سے کیا مراد ہے اور محدثین و شراحِ بخاری نے اس حدیث سے کیا مراد لیا ہے اور یزید کے متعلق کیا تصریحات فرمائی ہیں اور ابن مہلب[1] کے قول کے متعلق کیا کہا ہے؟

www.kitabosunnat.com

جواب مغفرت سے مراد وہی ہے جو اس کا عام مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے

---

[1] یہ ''ابن مہلب'' نہیں صرف ''مہلب'' ہے، سائل کو غالباً مغالطہ لگا ہے یا قلم کا سہو ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے گناہوں کو نظر انداز کر کے اس کو معاف کر دینا، بخش دینا اور اپنے انعامات کا مستحق قرار دے دینا۔

باقی رہی بات کہ محدثین و شراحِ بخاری نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور یزید کے متعلق کیا تصریحات فرمائی ہیں اور ''ابن مہلب'' کے قول کے متعلق کیا کہا ہے؟ تو محترم مدیر صاحب! اگر ہماری مختصر تصریحات پر ذرا گہری نظر سے غور فرما لیتے تو شاید وہ یہ سوالات نہ کرتے کہ ہماری مختصر سی عبارت میں ان تمام باتوں کا جواب موجود ہے۔ مناسب ہے کہ ہم پہلے اپنے سابقہ مضمون کی وہ عبارت یہاں نقل کر دیں جس پر یہ سوال کیا گیا ہے، اس کے بعد مزید گفتگو موزوں رہے گی۔ ہم نے لکھا تھا:

> ''کم از کم اہلِ سنت کو حدیث کے مطابق ہی یزید کو بُرا بھلا کہنے سے باز رہنا چاہیے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے متعلق مغفرت کی بشارت دی ہے اور یزید اس جنگ کا کمانڈر تھا۔ یہ بخاری کی صحیح حدیث اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، کسی کاہن یا نجومی کی پیش گوئی نہیں کہ بعد کے واقعات اسے غلط ثابت کر دیں۔''

مدیر موصوف کو اگر ہماری اس بات سے اختلاف تھا تو ان کو بتلانا چاہیے تھا کہ نبی کی بشارت اور نجومی کی پیش گوئی میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ کیوں کہ اس حدیث کی ایسی تاویل جس سے بشارت کا پہلو ختم ہو جائے، نبیِ اکرم ﷺ کے قول کو ایک کاہن کے قول سے زیادہ اہمیت نہ دینے پر ہی صحیح قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بغیر جب غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء میں سے کسی ایک کو بھی مغفرت کی بشارت سے خارج نہیں کیا جا سکتا تو ہمیں بتایا جائے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی پیش گوئی بھی اٹل ہو اور پھر اس میں سے کسی کا تخلُّف بھی ہو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جائے بیک وقت دونوں باتیں ممکن نہیں۔

امام مہلب کے قول میں یہی تو کہا گیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کا یہ قول مشروط ہے اس بات سے کہ ان شرکاء سے بعد میں کفر وارتداد کا ارتکاب نہ ہوا ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ اس بشارت سے خارج ہو جائے گا۔ لیکن اس تاویل میں کوئی وزن نہیں۔ معلوم نہیں صحیح بخاری کے جلیل القدر شارحین اس تاویل کو بغیر کسی رد ونقد کے کیوں نقل کرتے آئے ہیں؟ حالانکہ یہ تاویل بالکل ویسی ہی ہے جیسی تاویل شیعہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کرتے ہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں صحابہ کو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کا سرٹیفکیٹ دیا گیا تھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد چونکہ (نعوذ باللہ) وہ مرتد ہو گئے، اس لیے وہ اس کے مستحق نہیں رہے۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ لغو تاویل آپ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں تو پھر غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کے بارے میں یہ تاویل کیوں کر صحیح ہو جائے گی؟

پھر محض امکانِ کفر وارتداد کو وقوعِ کفر وارتداد سمجھ لینا بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔ مان لیجیے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی پیش گوئی مشروط ہے اور کفر وارتداد کرنے والے اس سے خارج ہو جائیں گے، لیکن اس کے بعد اس امر کا ثبوت بھی تو پیش کیجیے کہ یزید کافر ومرتد ہو گیا تھا اور پھر اسی کفر وارتداد پر اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ جب تک آپ اس کا واقعی ثبوت پیش نہیں کریں گے، بشارتِ نبوی کو مشروط ماننے سے بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا حکم یا اس پر رضا مندی یہی کفر وارتداد ہے تو یہ بھی لغو ہے۔ اول تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قتل کا حکم دیا یا پھر اس پر رضا مندی کا اظہار کیا، جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مَا صَحَّ قَتْلُهُ الْحُسَيْنَ رضی اللہ عنہ وَلَا أَمْرُهُ وَلَا رِضَاهُ بِذَلِكَ،''[1]

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا یا اس کے قتل کا حکم دینا یا ان کے قتل پر راضی ہونا، ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں۔''

نیز احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

''فَإِنْ قِيلَ: هَلْ يَجُوزُ لَعْنُ يَزِيْدَ بِكَوْنِهِ قَاتِلِ الْحُسَيْنِ أَوْ آمِراً بِهِ؟ قُلْنَا: هَذَا لَمْ يَثْبُتْ أَصْلًا وَّلَا يَجُوزُ أَنْ يُّقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَهُ أَوْ أَمَرَ بِهِ، مَا لَمْ يَثْبُتْ،''[2]

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنی جائز ہے، کیوں کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے یا ان کے قتل کا حکم دینے والا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ باتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں اور جب تک کوئی ثبوت نہ ہو، اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے قتل کیا یا قتل کا حکم دیا۔''

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید ہی نے قتل کا حکم دیا، تب بھی حکمِ قتل تو کجا، اگر وہ خود ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا ہوتا، تب بھی محض قتل سے کافر و مرتد قرار نہیں پا سکتا، چہ جائیکہ حکمِ قتل سے۔ یہ بھی ایک کبیرہ گناہ ہی ہے، کفر و ارتداد نہیں، چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

''عَلٰى أَنَّ الْأَمْرَ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ بَلْ قَتْلُهُ لَيْسَ مُوْجِبًا لِّلَعْنَةِ

---

[1] وفيات الأعيان (٢٨٨/٣)

[2] إحياء العلوم (١٣١/٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عَلٰى مُقْتَضٰى مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَبِيْرَةِ لَا يُكَفَّرُ، فَلَا يَجُوْزُ عِنْدَهُمْ لَعْنُ الظَّالِمِ الْفَاسِقِ كَمَا نَقَلَهُ جَمَاعَةٌ يَعْنِي بِعَيْنِهِ"

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینا، بلکہ خود ان کا قتل کر دینا بھی مذہب اہلِ سنت کے مطابق لعنت کا موجب نہیں، (اس لیے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے) اور مرتکبِ کبیرہ گناہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ پس اہلِ سنت کے نزدیک کسی ظالم، فاسق شخص پر متعین طور پر لعنت کرنا جائز نہیں۔"

ایک اور حنفی بزرگ مولانا اخوند درویزہ اسی قصیدۂ امالی کی شرح میں لکھتے ہیں:

"مذہب اہلِ سنت و جماعت آں ست کہ لعنت بغیر از کافر مسلمان را نیامدہ است پس یزید کافر نبود، بلکہ مسلمان سنی بود و کسے بگناہ کردن کافر نمی شود در تمہید آوردہ است کہ قاتل حسین را نیز کافر نباید گفت۔ زیرا کہ بہ گناہ کردن کسے کافر نمی شود۔"

"اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ لعنت کرنا سوائے کافر کے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ یزید کافر نہیں تھا، بلکہ سنی مسلمان تھا اور کوئی شخص محض گناہ کر لینے سے کافر نہیں ہوتا۔ تمہید میں ہے کہ خود قاتلِ حسین کو بھی کافر نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ گناہ کر لینے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔"[2]

الغرض یزید کو مغفرت کی بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں نے ایسی کوشش کی ہے ان کے پاس سوائے بغضِ یزید اور

---

[1] ضوء المعالي على بدء الأمالي، (ص: ٨٦) طبع جديد

[2] شرح قصیدہ امالی، طبع ۱۳۱۷ھ لاہور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جذبۂ حبِ حسین کے کوئی معقول دلیل نہیں۔

سب سے زیادہ تعجب مدیر ''رضائے مصطفیٰ'' اور ان کے ہمنواؤں پر ہے کہ ایک طرف وہ آنحضرت ﷺ کو ''عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ'' تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی دی ہوئی بشارت میں سے یزید کو خارج کرنے میں کوشاں ہیں۔ ہم تو آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب تسلیم نہیں کرتے، البتہ بشارات کا منبع وحی الٰہی کو مانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مستقبل کے متعلق جتنی بھی پیش گوئیاں نبی اکرم ﷺ نے فرمائی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے علم اور وحی پا کر کی ہیں جو کبھی غلط نہیں ہوسکتیں، لیکن آپ حضرات تو خود نبی اکرم ﷺ کو عالم الغیب مانتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کی پیش گوئی پر اعتقاد نہیں، کیسی عجیب بات ہے؟

آپ کے نزدیک اس بات کا کیا جواب ہے کہ جس وقت نبیٔ اکرم ﷺ نے غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کی خبر دی، اس وقت رسول اللہ ﷺ کو یہ علم تھا یا نہیں کہ اس میں یزید جیسا شخص بھی شامل ہوگا؟ اور یہ بھی آپ کو علم تھا یا نہیں کہ یزید بعد میں کافر و مرتد ہو جائے گا؟ اگر ان دونوں باتوں کا آپ کو اس وقت علم تھا تو پھر نبی اکرم ﷺ نے یزید کو مغفرت کی بشارت سے خارج کیوں نہیں کیا؟ اور علم ہوتے ہوئے اگر آپ نے یزید کو خارج نہیں کیا تو اس کا مطلب کیا ہے؟ امید ہے مدیر موصوف اپنے عقیدۂ علمِ غیب کے مطابق ان سوالات کی وضاحت ضرور فرمائیں گے۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کی جو پیش گوئی فرمائی ہے وہ بالکل برحق ہے اور یقیناً وہ سب مغفور لھم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی کافر یا مرتد ہونے والا ہوتا تو آپ اس کی بھی وضاحت فرما دیتے، اس لیے وہ سب شرکائے غزوہ یقیناً مسلمان تھے، غزوہ کے بعد ان کے کفر و ارتداد کا امکان محض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک واہمہ، سفسطہ اور مفروضہ ہے۔ بشارت کا اقتضا تو یہ ہے کہ ان کا خاتمہ بہرحال ایمان و اسلام ہی پر ہونا چاہیے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے، کیوں کہ اس اعتقاد کے بغیر ایک نبی کی پیش گوئی اور کاہن و نجومی کی پیش گوئی میں فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کی توہین کی ایسی جسارت ہم نہیں کر سکتے۔ یہ تو انہی لوگوں کا جگرا ہے جو ''عشقِ رسول'' کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں اور آپ کی پیش گوئی کو ایک نجومی کے اٹکل پچو سے زیادہ حیثیت دینے کو بھی تیار نہیں۔ معاذ اللہ [1]

---

[1] اسی نکتے کی وضاحت میں حنفی عالم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی رقم طراز ہیں:

''ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے جو خبر بھی نکلی، وہ اللہ کے دیے ہوئے علم کی یقینی روشنی میں نکلی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بحری جہاد اور قسطنطنیہ کے حوالے سے جو جنت کی مغفرت کی بشارت دی ہے، اس کا اطلاق تمام شرکا پر ہوگا اور اس کے عموم سے کسی ایک فرد کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وعدہ جنت و مغفرت، اللہ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کی طرف سے ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی ﷺ نے نہ تو کوئی شرط لگائی اور نہ اس بشارت سے کسی کو مستثنیٰ کیا۔

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حدیث میں دی گئی جنت و مغفرت کی بشارت کو ان بشارتوں پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا جن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بعض اعمال و افعال کے بارے میں اطلاع دی ہو کہ جس نے یہ کام کیا، وہ جنت کا اور جس نے یہ کام کیا، وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ جو حضرات تاویلات بعیدہ کا سہارا لے کر ان بشارتوں سے شرکائے جنگ میں کسی کو خارج کرتے ہیں (اور وہ بھی قائدین لشکر کو)، وہ دراصل غیر شعوری طور پر اہلِ تشیع کی پیروی و اتباع میں ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ شیعہ بھی اسی قسم کی تاویلات کرتا ہے جیسے قرآن حکیم نے صحابۂ کرام کو ''رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ'' کا سرٹیفکیٹ دیا ہے، تو اہلِ تشیع اس آیت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں انھیں یہ سند دی گئی تھی، لیکن چونکہ وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے، اس لیے وہ اس اعزاز کے مستحق نہیں رہے۔

اسی طرح نبی ﷺ نے دس افراد کے نام لے کر انھیں جنت کی بشارت دی۔ جنھیں عشرہ مبشرہ ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حرفِ آخر: ان سوالات کے آخر میں مدیر ''رضائے مصطفیٰ'' نے لکھا ہے:

نوٹ: جواب مختصر، جامع اور مدلل و جلدی ہونا چاہیے۔''

جوابات ہم نے موصوف کی خواہش پر اپنے علم وفہم کے مطابق جامع و مدلل جواب دے دیے ہیں۔ مدیر موصوف سے متوقع ہیں کہ وہ حزبی تعصب اور جذباتی

← کہا جاتا ہے۔ جن میں حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن، اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اہلِ تشیع کے اصول کے نزدیک یہ بشارت صحیح ہے، لیکن ان کے مطابق نبی ﷺ کے وصال کے بعد خصوصاً خلفائے ثلاثہ ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہ سے افعالِ قبیحہ صادر ہوئے جیسے اہلِ بیت کا حق چھینا، ان پر ظلم کیا اور مال فدک غصب کیا۔ لہٰذا وہ اس بشارت سے خارج ہیں۔

کیا کوئی مسلمان ایسا تصور بھی کرسکتا ہے؟ اہلِ اسلام کے نزدیک ان حضرات کی مغفرت یقینی ہے۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کے عطا کردہ علم صحیحہ وقطعیہ کی روشنی میں بشارت دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی طرح زیرِ بحث حدیث میں جنت ومغفرت کی بشارت کا اطلاق تمام شرکا پر ہوگا اور قائدین اور سپہ سالار اس بشارت کے سب سے پہلے مصداق ہوں گے۔

صحیح بخاری کی اس زیرِ بحث حدیث میں نبی ﷺ نے اپنی امت کے دو لشکروں کے متعلق جنت ومغفرت کی بشارت دی۔ اول الذکر جنت کے وجوب کی بشارت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں پوری ہوئی۔ جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ اور ثانی الذکر پیشین گوئی آپ کے دورِ خلافتِ راشدہ میں پوری ہوئی اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔

اسی غزوہ کے بارے میں نبی ﷺ کی طرف سے دی گئی بشارت مغفور لہم میں شامل ہونے کے لیے شوقِ شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ گوشے گوشے سے دمشق پہنچنے لگے۔ جن میں حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، حسین بن علی اور میزبان رسول ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہم نے بھی مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس لشکر میں شمولیت اختیار فرمائی۔ جس کی امارت و سپہ سالاری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جواں سال فرزند ''فتی العرب'' یزید کے سپرد فرمائی۔'' (تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ: ۲۹۴۔۲۹۶) [محمد فہد حارث]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

27199

وابستگی سے بالاتر ہوکر ہماری معروضات پر غور فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔[1]

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهُ.

[1] لیکن افسوس ہے کہ مدیر ''رضائے مصطفیٰ'' نے ہمارے دلائل کا آج تک کوئی جواب نہیں دیا، جس سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس کا موقف مضبوط اور وزنی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اِبلاغِ رسالت اور ولایتِ علی رضی اللہ عنہ

تفسیر آیت: ﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾

''اے پیغمبر! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے، وہ پہنچا دے۔''

﴿ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ ﴾ میں ''ما'' موصولہ ہے جو عموم کے لیے ہوتا ہے، یعنی ''اے پیغمبر! تجھ پر تیرے رب کی طرف سے جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاکم و کاست سب کچھ بیان کر دیا، کوئی چیز چھپائی نہیں، حتیٰ کہ آپ نے وہ آیات بھی بیان کر دیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے تنبیہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھپانی ہوتی تو آپ وہ آیت ضرور چھپا لیتے، جس میں مذکور ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے بعد آپ کے دل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا خیال آیا اور اللہ نے اس کو ظاہر کر دیا:

''لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ كَاتِمًا شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ لَكَتَمَ هَذِهِ الآيَةَ: ﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ [الأحزاب: ٣٧]''[1]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

لیکن شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیتِ تبلیغ میں جس بات کے پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا حکم تھا جو آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذوالحجہ کو غدیرِ خُم (جگہ) میں تمام لوگوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر دیا تھا اور فرمایا تھا:

«من كنت وليه فهذا وليه، اللّٰهم وال من والاه و عاد من عاداه»

''میں جس کا ولی ہوں، پس یہ (علی بھی) اس کا ولی ہے۔ اے اللہ! تُو اس کا ولی بن جا جو اس کا ولی ہو اور اس کا دشمن ہو جا جو اس سے دشمنی رکھے۔''

اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَينَ، أَحدُهُما أكبرُ منَ الآخرِ؛ كتاب، اللّٰهِ و عِترَتي أَهلُ بَيتي، فَانظُرُوا كَيفَ تَخلُفُوني فِيهِما .... إلخ»[2]

''میں تمھارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے؛ ایک کتاب اللہ، دوسری میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔ پس تم دیکھو، ان دونوں کے بارے میں میری جانشینی کا حق کیسے ادا کرتے ہو۔''

یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کے اہم طرق بیان کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے جس کی تفصیل ان کی محولہ بالا کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم كتاب الإيمان، باب معنى قول اللّٰه عزوجل ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾، رقم: ١٧٧)

[2] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (رقم: ١٧٥٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ولایتِ علی اور ثقلین (کتاب اور عترت، اہلِ بیت) کا مطلب:

اس حدیث میں دو چیزوں کا بیان ہے، قارئین کرام پہلے ان کا مطلب سمجھ لیں، پھر ان سے جو غلط استدلال کر کے بے ثبوت نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، اس کی حقیقت واضح کی جائے گی۔

اس میں پہلی بات تو فرمائی گئی ہے کہ جس کا میں ولی ہوں، علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے ولی ہیں۔ ''ولی'' کے عربی میں کئی مفہوم ہیں، ان میں سے ایک مفہوم ''دوست'' اور ''محبوب'' ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [البقرة: ٢٥٧]

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے۔'' یعنی دوست اور محبوب ہے۔

اسی آیت میں کافروں کا ''ولی'' طاغوت (شیطان) کو قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ''ولی'' کے معنی معروف ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے دوست اور محبوب ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہر مومن کے دوست اور محبوب ہیں۔ اہلِ سنت بلاشبہہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی طرح دیگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے حضرت ابوبکر و عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی فضیلت ثابت ہے۔ اہلِ سنت ان سب سے بھی محبت رکھتے اور اس کو ایمان کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ حدیث صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی فضیلت میں وارد نہیں ہے، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں تو احادیث ہی نہیں، آیاتِ قرآنیہ بھی موجود ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اور نہ اس کو تقاضائے ایمان ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کو تسلیم کر لیا جائے اور دیگر آیات و احادیث کو چھوڑ دیا جائے!

اسی طرح ولی کو خلیفہ کے معنی میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ یہ گروہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرار دیتا ہے کیوں کہ رسول کی بات وحی پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا وصل ہونا ہے تو یہ خلافِ واقعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد خلیفہ بننے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور وحی پر مبنی بات غلط نہیں ہوسکتی! اگر ولایت کا مفہوم خلافت ہوتا تو یقیناً خلیفۂ اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہوتے۔ جب ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ ولایت کا مطلب خلافت ہرگز نہیں، بلکہ دوستی اور محبت ہی ہے اور اہلِ سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے اور اس کو تقاضائے ایمان سمجھتے ہیں۔

یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث کی رو سے خلافت کا اوّلین حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ حق غصب کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اوّل تو وحی پر مبنی حق کو کوئی غصب نہیں کر سکتا۔ ساری دنیا بھی جمع ہوجائے تب بھی اللہ کے فیصلے کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مذکورہ حدیث کو (بر بنائے تنزل) وحی نہ سمجھا جائے، بلکہ صرف فرمانِ رسول کا تقاضا سمجھا جائے، تب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسے نظر انداز کر دیتے اور اس پر عمل نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿الرَّٰشِدُونَ﴾ [الحجرات: ٧] اور ﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ [الأنفال: ٧٤] کہا، ان کے کردار و عمل کی وجہ سے ان کے لیے ﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [التوبة: ١٠٠] کا اور ان کے جنتی ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے۔ ان کی بابت یہ تصور کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمانِ رسول کے تقاضے پر عمل نہیں کیا؟!

اگر کہا جائے کہ یہ پیش گوئی تھی تو نبی کی پیش گوئی بھی وحیِ الٰہی پر مبنی ہوتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے جو غلط نہیں ہو سکتی۔ اس پیش گوئی کے مطابق خلیفہ اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو بننا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے اسے پیش گوئی بھی نہیں سمجھا جا سکتا، ورنہ ایک نبی و رسول کی پیش گوئی اور ایک نجومی کی پیش گوئی میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کو نجومی کی پیش گوئی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس لیے ولایت کا پہلا مفہوم ہی صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مومن صادق کے دوست اور محبوب ہیں۔

حدیث کا دوسرا جز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعائیہ کلمہ ہے، یعنی بددُعا ہے کہ یا اللہ! علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھنے والے کا تُو بھی دشمن ہو جا۔ اس حدیث اور دیگر احادیث کی بنیاد پر اہلِ سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے دشمنی، یعنی بغض وعناد کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اوّل نہ بنانے کو ان کی دشمنی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو (حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سمیت) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ اہل سنت کو بھی اسی زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ اسی لیے شیعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور اہلِ سنت کو نہ صرف دشمنانِ علی رضی اللہ عنہ سمجھتے ہیں، بلکہ ان سے براءت اور بغض وعناد کو ایمان کا جز سمجھتے ہیں! اسی لیے ان کے اس عقیدے کی رو سے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں اور نہ اہلِ سنت مومن ہیں۔ وہ ان سب کو مرتد یا منافق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك العقيدة الفاسدة.

ایک شیعہ مفسر آیت ﴿ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ کے حکم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے ساتھ مخصوص کر کے لکھتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ پیغام اتنا ہی اہم ہے کہ اس کا نہ پہنچانا ساری رسالت کے نہ پہنچانے کے مترادف ہے۔''

اسی کی مزید تشریح کرتے ہوئے یہ مفسر لکھتا ہے:

''اور یہ حضرت علی کی نصرت اور محبت کی دلیل ہے اور اسی لیے ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں اور اس کو بالکل پیغمبر اکرم ﷺ کی محبت کے برابر قرار دیتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ عترت اور کتاب میں جدائی ممکن نہیں اور دونوں رسول کے خلیفہ ہیں .....اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا کہ آیت سے مراد ولایتِ علی بن ابی طالب ہے۔''[1]

ایک دوسرا شیعہ مفسر بھی اس آیت کے حکم کو ولایتِ علی کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے اس کے انکار کو کفر کے مترادف اور منکرین کو کافروں کے زمرے میں شمار کرتا ہے، چنانچہ وہ اپنے مخصوص رمزیہ انداز میں، جو سارے شیعہ ذاکرین و واعظین کا طریقہ ہے، لکھتا ہے:

''یہ آیت ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کو بمقام غدیر خم نازل ہوئی جہاں حضور نے ایک لاکھ حاجیوں کے مجمع میں حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا: «من كنت مولاه فهذا علي مولاه»۔''

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

مفسر لکھتا ہے:

---

[1] انوار القرآن، ترجمہ وتفسیر: علامہ ذیشان حیدر جوادی، ص: ۲۷۱۔ ط: مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور: ۱۹۹۶ء (یہ ترجمہ وتفسیر بھارتی ایڈیشن کا پاکستانی ایڈیشن ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اس آیت میں کفر سے مراد اس آیت کے مندرجات سے انکار ہو سکتا ہے۔''[1]

معنوی تحریف:

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دونوں مفسرین نے قرآن کریم میں معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور وہ اس طرح کہ:

اولاً: ﴿مَآ اُنْزِلَ﴾ کو صرف ولایتِ علی کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، جب کہ اس میں عموم ہے اور سارے دینی احکام کو شامل ہے۔

ثانیاً: ولایتِ علی رضی اللہ عنہ کا وہ مخصوص مفہوم مراد لیا ہے جو ان کا خودساختہ ہے، قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ثالثاً: ولایتِ علی کے اس خانہ ساز مفہوم کو صحیح نہ سمجھنے اور اس کے مطابق عقیدہ نہ رکھنے والوں کو دشمنانِ علی قرار دیا ہے۔

رابعاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کر کے ان کی محبت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے برابر قرار دے کر رسول اور امتی کو یکساں مقام دے دیا ہے۔

خامساً: اس من گھڑت مفہوم کے انکار کو کفر اور اس کے منکرین کو ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کا مصداق قرار دے کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام اہلِ سنت مسلمانوں کو کافر باور کرایا ہے۔

کیا آیت: ﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ...﴾ الخ سے یہ سارے مفہوم نکلتے ہیں جو ان مفسرین نے اس سے کشید کیے ہیں؟ کیا یہ قرآن کریم میں معنوی تحریف نہیں ہے؟

---

[1] القرآن الکریم، بلاغ القرآن، حاشیہ وتفسیر: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ محسن علی نجفی (ص: ۱۶۱) طبع ہشتم، مارچ ۲۰۱۸ء۔ قرآن سنٹرز پاکستان، قرآن فاؤنڈیشن، فیصل آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں باتوں کا جواب یہی ہے کہ قرآن کی اس آیت سے وہ مفہوم قطعاً نہیں نکلتے جو ان مفسرین نے اس سے نکالے ہیں اور یہ واقعی قرآن میں معنوی تحریف ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے، معنوی تحریف کا جو مطلب مفسر نجفی نے بیان کیا ہے، اس کی رو سے خود مفسر نجفی کے استدلالات معنوی تحریف ہی کے آئینہ دار ہیں، چنانچہ مفسر نجفی اپنے اسی ترجمہ وتفسیر کے مقدمے میں تحریفِ معنوی کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''تحریفِ معنوی کا مطلب یہ ہے کہ مفاد پرستوں نے آیات قرآنی کے مطالب کو ان کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر اپنی رائے اور ذاتی یا گروہی خواہشات کے مطابق معنی پر محمول کیا ہے۔''[1]

نجفی صاحب اپنی ہی تعریف کی روشنی میں اپنی تفسیر و وضاحت کو دیکھ لیں کہ وہ معنوی تحریف ہے یا نہیں ؎

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(وزیر علی صبا لکھنوی)

مذکورہ بالا دونوں شیعہ مفسرین نے (اپنے دیگر ہم مسلک مفسرین کی طرح) آیت مذکورہ بالا کے حکم کو ولایتِ علی (خلافتِ علی) کے ساتھ خاص کیا ہے، حالانکہ ﴿مَآ اُنْزِلَ﴾ میں عموم ہے، اس کو صرف ایک بات کے ساتھ خاص کر دینا ''وہی ذاتی یا گروہی خواہشات کے مطابق معنی پر محمول کرنا ہے'' جس کو خود علامہ نجفی صاحب نے تحریفِ معنوی قرار دیا ہے۔ اگر واقعی اس آیت میں ولایتِ (خلافتِ) علی رضی اللہ عنہ کا اعلان کرنے کا حکم تھا تو یہ اعلان حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ و مدینہ کے درمیان غدیر خم

---

[1] ایضاً (ص: ۱۰۴۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پر نہ کیا جاتا، بلکہ میدانِ عرفات میں کیا جاتا جہاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو گواہ بنا کر یہ فرمایا کہ اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچا دیے ہیں، اے اللہ! تُو گواہ ہو جا، تُو گواہ ہو جا، تُو گواہ ہو جا۔

کیا یہ بات قرینِ عقل و قیاس ہو سکتی ہے کہ جہاں ایک جم غفیر کے سامنے تبلیغِ رسالت کا حق ادا کرنے کی وضاحت فرما رہے ہیں، وہاں تو آپ اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہ فرمائیں اور جب حجاج کرام فراغتِ حج کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا چکے ہوں تو آپ چند رفقائے مدینہ کے سامنے یہ اعلانِ ولایت فرمائیں؟ جبکہ بقول شیعہ مفسرین کے کہ اس آیت میں اعلانِ ولایت کا حکم ہے تو یہ خاص اعلان اس وقت کیوں نہیں کیا جہاں اعلان کرنے کا موقع تھا؟ إن هذا لشيء عجاب!

اس سے صاف واضح ہے کہ اس آیت کو ولایتِ علی رضی اللہ عنہ کے اعلان کے ساتھ خاص قرار دینا قرآن کریم کے معنی میں صریح تحریف ہے، قرآن کے الفاظ ہرگز اس معنی و مفہوم کے متحمل نہیں ہیں۔ پھر ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ اس پیغام کو، جو سرے سے ثابت ہی نہیں ہے، پوری رسالت کی تبلیغ کے مترادف قرار دیا جائے، جیسا کہ ایک مذکورہ مفسر نے کہا ہے۔ اس کا مطلب تو پھر (نعوذ باللہ) یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ رسالت کا حق ہی ادا نہیں کیا، سبحانك هذا بهتان عظيم!

حدیثِ عترت یا حدیث الثقلین کا مطلب:

حدیث: «اللّٰهم وال من والاه» جو "سلسلة الأحاديث الصحيحة" کے حوالے سے نقل ہوئی ہے، الحمد اللہ اس پر اللہ کی توفیق سے ضروری گفتگو مذکورہ صفحات میں ہو گئی ہے۔ اس حدیث کا دوسرا جز ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمھارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اپنی عترت، یعنی میرے اہلِ بیت۔"

یہ حدیث بھی شیعہ حضرات کی مدارِ استدلال ہے، لیکن اس سے بھی وہ ایسا مفہوم اخذ کرتے ہیں جو الفاظِ حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا اور بدقسمتی سے بہت سے اہلِ سنت بھی ان کے اخذ کردہ مفہوم کو صحیح سمجھتے ہیں، اس لیے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

اس میں پہلی چیز "عترت" کا لفظ ہے۔ عترت سے کیا مراد ہے؟ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت «أهل بيتي» کہہ کر فرما دی کہ عترت سے مراد میرے اہلِ بیت ہیں۔ آپ ﷺ کے "اہلِ بیت" میں سب سے پہلے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ اہلِ بیت کا یہ مطلب قرآن کریم کی آیتِ تطہیر سے ثابت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے لیے کئی احکام بیان کیے ہیں، ان کے بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣]

"ان احکام سے اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت وہ تم سے (گناہوں کی) پلیدی دور کرے اور تمھیں اچھی طرح پاک کر دے۔"

آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ ازواجِ مطہرات کو "اہلِ بیت" کہا گیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کے لیے بھی "اہلِ بیت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (سورت ہود: ۷۳)

قرآن کریم کے واضح سیاق سے صرفِ نظر کر کے حدیثِ کساء سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد صرف حضرت علی و فاطمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ حدیثِ کساء میں ہے کہ جب یہ آیتِ تطہیر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان سب کو ایک چادر میں ڈھانپ کر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ هٰؤُلاءِ أَهْلُ بَيْتِي»[1]

''اے اللہ! یہ (بھی) میرے اہلِ بیت ہیں۔''

اس سے آپ کی مراد یہی تھی کہ یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں، نہ یہ کہ یہی اہلِ بیت ہیں۔ پہلے مفہوم کی رو سے ''اہلِ بیت'' کے مفہوم میں توسیع ہے کیوں کہ قرآن کریم کی رو سے ازواجِ مطہرات تو یقیناً اہلِ بیت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں توسیع کر کے مذکورہ حضرات کو بھی اس میں شامل فرما لیا۔

یوں قرآن اور حدیث دونوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ اگر دوسرا مفہوم مراد لیا جائے تو ازواجِ مطہرات کی نفی ہو جاتی ہے، جب کہ قرآن سے ان کا اثبات ہو رہا ہے۔ حدیث سے ایسا مفہوم اخذ کرنا جو قرآن کی نصِ صریح کے خلاف ہو کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ بنابریں قرآن اور حدیث دونوں سے واضح ہے کہ عترت سے مراد اہلِ بیت، یعنی ازواجِ مطہرات ہیں اور حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی اہلِ بیت میں شامل ہیں، ایک قرآن کریم کی رو سے اور دوسرے حدیثِ کساء کی رو سے۔ ملا علی قاری نے ''المرقاۃ شرح المشکاۃ'' میں علامہ تورپشتی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"عترة الرجل أهل بيته و رهطه الأدنون، و لاستعمالهم العترة على أنحاء كثيرة بينها رسول الله ﷺ بقوله «أهل بيتي»

---

[1] جامع ترمذي: أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب مناقب أهل بيت النبي ﷺ (حديث: ٣٧٨٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ليعلم أنه أراد بذلك نسله و عصابته الأدنين و أزواجه"

اس کا خلاصہ یہی ہے کہ لفظِ عترت میں آدمی کے اہل وعیال (بیویاں) اور قریبی رشتے دار اور اس کی نسل شامل ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان «عترتي أهل بيتي» سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''اہل البیت'' سے مقصود علماء اور صالحین ہیں جو کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کرنے والے ہوں۔ امام ابوجعفر طحاوی لکھتے ہیں:

"العترة أهل بيته ﷺ الذين هم على دينه و على التمسك بأمره"

یعنی ''عترت'' نبی ﷺ کے وہ اہلِ بیت ہیں جو آپ کے دین پر اور آپ کے حکم کے ساتھ تمسک کرنے والے ہیں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"إن أهل البيت غالبا يكونون أعرف بصاحب البيت و أحواله، فالمراد بهم أهل العلم منهم المطلعون على سيرته، الواقفون على طريقه، العارفون بحكمه و حكمته .... و بهذا يصلح أن يكون مقابلا لكتاب الله سبحانه كما قال: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾".

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عترت کی تفسیر جو «أهل بيتي» ''سے فرمائی ہے تو اس سے مراد غالباً یہ ہے کہ وہ صاحبِ بیت (رسول اکرم ﷺ) اور ان کے احوال سے خوب واقف ہوں، پس ان سے مراد وہ اہلِ علم ہیں جو آپ ﷺ کی سیرت سے باخبر ہوں، آپ کا طریقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاننے والے ہوں، آپ کے حکم اور ان کی حکمتوں سے آگاہ ہوں۔
اس مفہوم کے اعتبار سے یہ اہلِ عترت اس لائق ہیں کہ یہ کتاب اللہ کے مقابل ہوں۔''

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ''اہل البیت'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی سنت کا دامن پکڑنے والے ہوں، یہی حدیث سے مقصود بالذات ہے، اسی لیے اسے ثقلین میں سے ایک ثقل قرار دیا ہے۔ ایک ثقل قرآن اور دوسرا ثقل یہ آپ کے خاندان کے علماء، چنانچہ امام ابن اثیر ''النہایہ فی غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''سماهما ''ثقلين'' لأن الأخذ بهما (يعنى الكتاب و السنة) و العمل بهما ثقيل، و يقال لكل خطير نفيس: ثقل، فسماهما ''ثقلين'' إعظاما لقدرهما و تفخيما لشأنهما''

''ان دونوں کو ''ثقلین'' اس لیے کہا کہ ان دونوں (کتاب وسنت) کو پکڑے رکھنا اور ان پر عمل کرنا بھاری ہے اور ہر عمدہ قیمتی چیز کو ''ثقل'' کہا جاتا ہے، پس ان دونوں کا نام ''ثقلین'' اسی لیے رکھا کہ یہ دونوں عظیم القدر اور بلند شان کے حامل ہیں۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ مذکورہ اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مقابل ''اہل البیت'' کے ذکر سے مقصود اس حدیث میں ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنی سنت کے ساتھ بیان فرمایا: « فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين .....إلخ »

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"فإنهم لم يعملوا إلا بسنتي، فالإضافة إليهم إما لعملهم بها أو لاستنباطهم و اختيارهم إياها"

''اس لیے کہ خلفائے راشدین نے صرف میری سنت ہی پر عمل کرنا ہے، پس ان کی طرف سنت کی اضافت ان کے سنت پر عمل کرنے، یا سنت سے ان کے استنباط کرنے اور اس کو اختیار کرنے کی وجہ سے کی گئی ہے۔''

اس اعتبار سے موطا امام مالک کی یہ حدیث حدیثِ ثقلین کی قوی شاہد ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

« تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما؛ كتاب الله و سنة رسوله »[1]

''میں تمھارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''

یہ تفصیل اس لیے ضروری سمجھی گئی ہے کہ حدیثِ عترت یا حدیثِ ثقلین کا مفہوم و مطلب شیعہ حضرات تو جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ تو معلوم ہی ہے، لیکن اہلِ سنت کی اکثریت بھی اپنی لاعلمی کی وجہ سے ان کی ہم نوائی کرتی ہے، حالانکہ اس کا مفہوم و مطلب وہی ہے جو موطا امام مالک کی روایت کا ہے کہ گمراہی سے بچنے کا واحد طریقہ صرف کتاب و سنت کی پیروی ہے۔ اس مفہوم کی رو سے دونوں صحیح حدیثوں کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور جو ظاہری تضاد نظر آتا ہے، دور ہو جاتا ہے۔ یہ مفہوم ایسا ہے جس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ اور اگر وہ واقعی مومن ہے تو ایمان یہ ہونا چاہیے

[1] ملخصاً از سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، تحت حديث (١٧٦١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ حجت صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ اس کے ساتھ اگر خلفائے راشدین کی سنت کا ذکر ہے تو وہ اسی لیے ہے کہ ان سے خلافِ سنت کام کی توقع نہیں ہے، اس لیے سنتِ رسول اور سنتِ خلفائے راشدین ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اسی طرح عترتِ رسول اور اہلِ بیت ایک ہی چیز ہے اور ان کا بھی قرآن کے مقابل ذکر کرنے کا مطلب سنت ہی کا بیان ہے، نہ کہ قرآن و حدیث کے علاوہ تیسری چیز کا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تفسیر آیتِ مباہلہ

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ [آل عمران:٦١]

''پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی (حاضر ہوں) پھر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

تفسیر:

یہ آیتِ مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں: دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت، یعنی بددعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر یہ دعا کریں کہ یا اللہ! ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اس پر لعنت فرما۔ اس میں بالخصوص اہلِ حق کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اہلِ باطل سے محاجّہ (مجادلہ و مباحثہ) کا کوئی خاص فائدہ نظر نہ آتا ہو تو تمھارے پاس تو وہ یقینی علم ہے جو اللہ کی طرف سے تمھارے پاس ہے (یعنی قرآن و حدیث کا علم) تو ایسی صورت میں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اہلِ باطل کو مباہلہ کی دعوت دو کہ آؤ! اللہ سے فیصلہ کرواتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے مباہلہ کا یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ ان سے کہو کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلا لو، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلا لو، ہم اپنے نفسوں سے حاضر ہوتے ہیں، تم اپنے نفسوں سے حاضر ہو، پھر مل کر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کرتے ہیں۔

اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ سارے صیغے جمع کے استعمال ہوئے ہیں، جس سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر سے کہا کہ مومنوں کی جماعت کو، ان کے بیٹوں اور عورتوں سمیت جمع کرے اور دوسرے فریق کو بھی اپنے بیٹوں اور عورتوں سمیت آنے کا حکم دے اور مباہلہ کریں۔

قرآن کے ظاہری الفاظ سے دونوں فریقوں کے آل اولاد کے جمع ہو کر لعنت کرنے کا اثبات ہو رہا ہے۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: «اللهم هؤلاء أهلي»[1]

یہ روایت ہمارے بیان کردہ مفہوم کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان چاروں کو بلا کر اللہ تعالیٰ سے کہا: ''اے اللہ! یہ بھی میرے اہل ہیں۔'' اللہ سے یہ کہنا دراصل اللہ سے دعا کرنا ہے کہ ان کو بھی میرے اہل میں سے کر دے۔ اس موقعے پر اس دعا کا یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے (والله أعلم بحقيقة الحال) کہ اگر دونوں فریقوں کا مذکورہ طریقے سے جمع ہو کر مباہلے کی نوبت آئے تو یا اللہ! مسلمان جب اپنے بیٹوں اور عورتوں کو

---

[1] صحيح مسلم، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي ... (٢٤٠٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لے کر حاضر ہوں تو میں بھی اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ (کیونکہ وہ تو میرے اہل ہی ہیں) مذکورہ چاروں افراد کو بھی اپنے اہل میں شامل کر کے اس اجتماع میں حاضر ہوؤں، تاکہ ان کی بھی شرکت سے اجتماع کی اہمیت بڑھ جائے۔ لیکن اس طرح کے اجتماع کی نوبت ہی نہیں آئی۔

حدیث میں آتا ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نجران سے جو وفد آیا تھا ان کے دو بڑے آدمی (عاقب اور سید) دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاعنہ (مباہلہ) کرنا چاہتے تھے، مگر دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ کام (مباہلہ) نہ کر، اللہ کی قسم! اگر یہ نبی ہوا اور ہم نے اس سے ملاعنہ (مباہلہ) کر لیا تو پھر نہ ہماری خیر ہے اور نہ ہمارے بعد آنے والی ہماری نسل کی خیر ہے (ہم اپنی نسلوں سمیت تباہ ہو جائیں گے) چنانچہ یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا ہم سے جو مطالبہ ہے وہ ہم دینے کے لیے تیار ہیں، آپ کوئی امانت دار آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نظر دوڑائی اور حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور ان کو اس امت کا امین ہونے کا خطاب بھی عطا فرمایا۔[1]

فائدہ:

ہماری یہ تفسیر اگرچہ عام تفاسیر سے قدرے مختلف ہے، لیکن قرآنی الفاظ کے قریب تر ہے، کیونکہ اگر اس میں مسلمانوں کی جماعت مراد نہ لی جائے جیسا کہ ہم نے یہ مراد سمجھی ہے تو پھر الفاظِ قرآن سے مطابقت نہیں رہتی، کیونکہ قرآن میں ﴿ اَبْنَآءَنَا ﴾ ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا ہی نہیں تھا۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث: ٤٣٨٠

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو بیٹوں میں شمار کیا جائے (جیسا کہ شمار کیا جا سکتا ہے) تو تب بھی ''اَبْنَآءَ'' کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا، اس لیے کہ جمع کے لیے کم از کم تین افراد ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ''نِسَآءَ'' بھی جمع ہے، اس میں ازواجِ مطہرات تو یقیناً آتی ہیں، اس لیے کہ ازواج پر ''نِسَآءَ'' کا اطلاق صحیح ہے، لیکن ''نِسَآءَ'' کا اطلاق بیٹیوں پر عربی زبان میں نہیں ہوتا، اس لیے ﴿وَنِسَآءَ﴾ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مراد لینا عربی زبان کی رو سے دو اعتبار سے غلط ہے: ایک تو بیٹیاں ''نِسَآءَ'' میں نہیں آتیں، البتہ لفظ ''اولاد'' میں بیٹیاں بھی آجاتی ہیں۔ دوسرے ''نِسَآءَ'' ''نساء'' جمع کا لفظ ہے، یہ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے کس طرح استعمال ہوسکتا ہے؟ اسی طرح ﴿اَنْفُسَنَا﴾ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ بھی جمع کا صیغہ ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ ملا لیا جائے، تب بھی یہ دو نفس ہوتے ہیں ''أنفس'' نہیں ہوتے۔

خلاصہ ساری بحث کا یہ ہے کہ حضرت فاطمہ، حضراتِ حسن و حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی رو سے آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کے اہل (گھر والے) ہیں، لیکن آیتِ مباہلہ کے مصداق یہ حضرات نہیں ہیں، جیسا کہ عام خیال کیا جاتا ہے۔ آیتِ مباہلہ کے مصداق اس وقت کے اہلِ ایمان، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، کیونکہ خطاب جماعت سے ہے نہ کہ افراد سے۔ واللہ أعلم

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

مکتبہ ضیاء الحدیث
ZIAUL-HADEES LAHORE